دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ
الحق
ماہنامہ
زیر سرپرستی
شیخ الحدیث حضرة مولانا عبدالحق بانی و مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور
مغربی پاکستان

له دعوة الحق

فون نمبر دار العلوم - ۴ — فون نمبر رہائش - ۲

قرآن وسنّت کی تعلیمات کا علمبردار

جلد : ۶ — ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ

شمارہ : ۹ — جون ۱۹۷۱ء

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

مدیر ——— سمیع الحق

اس شمارے میں

مضمون	مصنف	صفحہ
نقش آغاز	سمیع الحق	۲
حیات طیبہ (ایمانی زندگی)	حکیم الاسلام قاری محمد طیب قاسمی مدظلہ	۵
حضور اقدس ﷺ — کائنات میں خدا کی بڑی نعمت	شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ	۱۳
عالمی زبان اور عربی	جناب مصنطر عباسی ایم اے	۲۵
طاغوت اور ازمہائے جدید (ماڈرنزمز)	مولانا محمد شہاب الدین ندوی	۴۰
قبرص میں کیا ہو رہا ہے — ؟	جناب اختر راہی ایم۔ اے	۴۳
آہ ! مولانا محمد علی جالندھری ؒ	جناب نور محمد غفاری ایم اے	۴۹
مولانا گنگوہی ؒ کے علوم و معارف	حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ	۵۴
دار العلوم دیوبند نے عالم اسلام کو کیا دیا — ؟	(ایک رپورٹ)	۶۲

بدل اشتراک

- مغربی اور مشرقی پاکستان سے ۶/ روپے - فی پرچہ ۶۰ پیسے
- غیر ممالک بحری ڈاک ایک پونڈ
- غیر ممالک ہوائی ڈاک دو پونڈ

★

سمیع الحق استاد دار العلوم طابع و ناشر نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک موقعہ پر صدر پاکستان جناب محمد یحییٰ خان صاحب کا پیغام مملکتِ پاکستان کی نظریاتی اساس کے لحاظ سے بلاشبہ ملک کی تعمیر اور تشکیل جدید کیلئے روشنی کا مینار اور واضح ترین " لیگل فریم ورک کا کام دے سکتا ہے۔ اب ضرورت ایسے مومنانہ اقدامات کی ہے جو ملک کے ہر شعبہ میں اس پیغام کی روح کو لئے ہوئے فوری طور پر نافذ العمل کئے جا سکیں۔ قول اور پیغام وعظ و تبلیغ کی حد تک کوئی بھی رہنما اصول نہ تو کبھی معاشرہ میں انقلاب برپا کر سکا ہے اور نہ اس سے کوئی قوم پیش آمدہ حوادثات اور بحرانوں سے نکل سکی ہے۔ صدرِ پاکستان نے اپنے مؤثر اور جامع پیغام میں فرمایا کہ برصغیر کے مسلمانوں نے پاکستان کا مطالبہ اسی لئے کیا تھا کہ وہ اپنی مملکت میں آزادانہ طور پر اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہو سکیں۔ صدر یحییٰ خان نے آگے چل کر کہا ہمیں اپنے دلوں کو ٹٹولنا چاہیئے کہ اسلام کے جن ارفع و اعلیٰ اصولوں کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے ہم نے اپنے لئے علیحدہ وطن حاصل کیا تھا انفرادی یا اجتماعی طور پر ہم نے ان اصولوں کا کس حد تک احترام کیا ہے۔ صدرِ محترم نے محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اخوت و انصاف کے ابدی اصولوں پر مبنی ایک ایسا نظام عطا کیا جس نے انسانوں کو علاقائی جغرافیائی اور نسلی وفاداریوں کے تنگ دائرے سے نجات دلا دی، آئیے! ہم متحد و متفق ہو کر اس نظام پر عمل پیرا ہونے کا عہد و پیمان کریں۔

صدرِ محترم کے ان پاکیزہ جذبات اور احساسات سے عیاں ہے کہ موجودہ مصائب اور آزمائشوں میں مبتلا قوم کی بیماری کی صحیح تشخیص کر لی گئی ہے۔ اور ذاتی اطلاعات کی حد تک اقتدار کے اونچے ایوانوں میں بھی آجکل یہ تاثر بجا طور پر عام ہے کہ ملک کی سالمیت بقا اور ہماری باہمی اتحاد اور یگانگت کی اگر کوئی صورت رہ گئی ہے تو وہ صرف اور صرف اسلام اور حضور خاتم النبیین کا لایا ہوا لائحہ عمل ہے جذبات احساسات اور زبانی حد تک یہ انقلاب بھی الحمدللہ نہایت خوش آئند ہے۔ قدرت کی اتنی عظیم ابتلاء اور آزمائش کے باوجود بھی یہ احساس اور شعور اگر پیدا نہ ہو سکا تو ہم کسی طرح زندہ اور باشعور قوم کہلانے کے مستحق نہ رہیں گے۔ اب ضرورت

صرف یہ رہ گئی ہے کہ صدر محترم کی قیادت میں پوری حکومت جرأت مومنانہ اور جذبۂ ایمانی سے کام لیکر ملک کے ہر شعبہ میں تعلیمات نبوی کی روشنی میں انقلابی اصلاحی اقدامات نافذ فرما دیں، ورنہ یہ بات ناقابلِ فہم اور نہایت افسوسناک ہوگی کہ مریض جاں بلب ہو، مرض جانگسل ہو، مرض کی تشخیص ہو چکی ہو، علاج کے لئے قوت و وسائل اور اسباب سب کچھ موجود ہوں مگر نسخۂ شفاء کے استعمال کی بجائے اس کے ورد پر اکتفاء کیا جائے اور مریض جان توڑ دے۔ اسوقت پوری قوم کو اجتماعی طور پر گھن لگ چکا ہے اور برسر اقتدار طبقہ کو اللہ نے قوت و حاکمیت کے وسیع اختیارات دئے ہیں اگر صدر محترم چاہیں تو ان وسیع اختیارات سے کام لیکر قومی زندگی کے ہر شعبہ میں دور رس نتائج اور برکات کی حامل تبدیلیاں لا سکتے ہیں۔ اگر کسی علاقہ یا خطہ کی حفاظت یا کسی ملکی و ملی مفاد پر مبنی احکامات آرڈیننس کی شکل میں نافذ ہونے چاہئیں تو کیا وجہ ہے کہ پورے ملک اور قوم کی بقاء اور حفاظت کیلئے ایسے اقدامات میں پس و پیش کیا جا سکے۔ اگر "جمہوریت" غداروں کو تحفظ نہیں دے سکتی تو کیا وجہ ہے کہ اس جمہوریت کے نام پر ہم کسی گروہ کو نظریۂ پاکستان ــــ اسلام اور اسلامی حاکمیت ــــ کو مجروح کرنے یا اسے پس منظر میں ڈالنے کی اجازت دیں۔ تو پھر جمہوریت بھی اتنی مہم جس کے انتظار میں کسی قوم کے عروج وارتقار کا بنیادی زمانہ اور اہم صلاحیتیں ہی ضائع ہو جائیں ــــ

اس وقت اللہ نے اپنے فضل و کرم اور ملک کی مایۂ ناز افواج اور مشرقی پاکستان کے غیور محب اسلام باشندوں کی مشترکہ مساعی سے ہمیں سوچ کر اپنی لغزشوں کی تلافی کرنے کا ایک موقع دیدیا ہے۔ اسے گنوانا ہماری قومی تاریخ کی سب سے بڑی غلطی ہوگی۔ اس وقت بلاشبہ ملک سیاسی بے یقینی اور بہت حد تک اقتصادی بحران میں مبتلا ہے، ہر طرف سے قومی مسائل ہمیں گھیرے ہوئے ہیں، لیکن سب سے اہم اور نازک مسئلہ جو پوری قوم کو ہلاکت اور تباہی کی طرف لے جا رہا ہے، وہ اس ملک کے باشندوں کا اخلاقی مسئلہ ہے، اور پورے ملک کو معاشی اور سیاسی دلدل میں پھنسا دینے میں اخلاقی اور معاشرتی مسئلے کا بنیادی حصہ ہے۔ اجتماعی حیثیت سے قوم کی غالب اکثریت نبی کریمؐ کی اخلاقی اقدار اور اسلام کے نظام تمدن و معاشرت سے ہٹ چکی ہے۔ نوجوان طبقہ میں اباحیت انارکی اور آزاد روی کا دور دورہ ہے۔ اور اخلاقی قدروں کی پائمالی کی یہ جرأت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ انہی رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی میلاد النبیؐ کے نام پر جسکی مناسبت سے صدر پاکستان نے مذکورہ بالا پیغام دیا ہے۔ جلسے اور جلوسوں میں وہ سب کچھ کیا گیا جو کسی مسلمان اور حیادار شخص کو نجی سے نجی مجلسوں میں بھی زیب نہیں دیتا۔ میلاد النبیؐ کے جلوسوں میں جنسیت زدہ فحش سفلی، فلمی گانوں کے ریکارڈ سنائے گئے، شراب پی کر عورتوں کو چھیڑنے کے واقعات، بھنگڑا ناچ، "ہے جمالو" کی تان پر

غل غپاڑہ اور یہاں تک کہ شب میلاد کے ایک پروگرام کے تحت لاہور کے جمخانہ کلب میں اونچے طبقے والے لڑکوں اور لڑکیوں کا رقص۔ اس صاحب سیرۃ مطہرۃ کے نام پر جو عصمت و عفت کا علمبردار اور اخلاق طیبہ کا پیکر اور حیا و وقار کا صورت مجسم بن کر دنیا کو اخلاق کا درس دینے آئے تھے۔ ہمارے نوجوان طبقہ کی جرأت رندانہ کا یہ عالم کہ آزاد کشمیر سے مخلوط تعلیم پر پابندی کی خبر آئی تو یہ خبر مغرب زدگان پر بجلی بن کر گری۔ جامعہ کراچی نے طلبہ و طالبات کو اتنی سی ہدایت کی کہ وہ آپس میں زیادہ اختلاط نہ رکھیں تو اس پر واویلا شروع ہوا کہ یہ رجعت پسندی اور فطری آزادی پر پابندی ہے۔ پیٹ کی پجاری ذہنیت نے تو اسے سیاسی سٹنٹ بنا دیا کہ ایسی پابندیوں سے افلاس کا مسئلہ اور پیچیدہ ہو جائے گا۔ اور یہ تو اخلاقی زوال کے چند بولتے نمونے ہیں۔ کوئی اخبار اٹھا کر دیکھئے دن دہاڑے قتل و غارت گری اور بھرے بازاروں میں لڑکیوں کا اغواء، دھوکہ، فریب، سمگلنگ، ملاوٹ اور دیگر معاشرتی خرابیوں کے علاوہ اور کچھ نظر ہی نہ آئے گا۔ اخبارات کے فلمی ضمیمے تو چھوڑیئے ہر سنجیدہ اخبار کا آدھا حصہ فلم سے متعلق فحش ترین اشتہارات سے دعوت فحاشی دیتا ہوا ملے گا۔ ٹیلی ویژن پروگراموں نے تو گھر گھر پہنچ کر فلمی خرابیوں کی کسر پوری کر دی ہے۔ ریڈیو سے مروجہ فحش فلمی گانوں اور جنس آلود ڈراموں کی بھرمار ہے۔ سڑک اور بازار فحش تصاویر اور سائن بورڈوں سے اٹے پڑے ہیں۔ جدھر نگاہ دوڑایئے اور جدھر کان لگایئے عفت اور عصمت اور اخلاق و حیاء کے لٹنے اور لٹانے کی صلائے عام ہے۔

یہ حالات نہ تو یکایک پیدا ہوئے ہیں نہ خود بخود، جن تعلیم گاہوں سے نوجوان پود تربیت پا کر نکل رہی ہے وہاں کی تعلیمی اور تربیتی نظام پر ایک نگاہ دوڑایئے ثانوی اداروں سے لیکر اعلیٰ سے اعلیٰ یونیورسٹی تک سب کچھ موجود ہے مگر اسلامی علوم، قرآن و سنت، اخلاق نبوی اور معاشرت اسلامی کی تعلیم کا نام و نشان نہیں جو کچھ ہے صفر کے برابر ہے، پبلک اور مشنری سکولوں سے جو پود نکل نکل کر "ہپی ازم" کی گود میں جا رہی ہے آخر اس کی ذمہ دار ہم ناپختہ نوجوان ذہنیت کو کیونکر ٹھہرائیں ——— الغرض ان ناگفتہ بہ حالات اور خرابیوں کی اصلاح کیا صرف زبانی اور تحریری پیغامات سے ہو سکتی ہے۔؟ اور کیا اتنی خرابئ بسیار کے بعد بھی ہمیں اسلامی معاشرت اور کتاب و سنت پر مبنی لائحہ حیات اپنانے میں پس و پیش ہے۔ یا پھر ہمارا مرض لاعلاج ہو چکا ہے اور ہماری محرومی اور بدقسمتی کا فیصلہ ہو چکا ہے۔؟

واذا دعوا الی اللہ و رسولہ لیحکم بینھم ـــ الی قولہ - افی قلوبھم مرض ام ارتابوا ام یخافون ان یحیف اللہ علیھم و رسولہ بل اولئک ھم الظلمون -

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل -

سمیع الحق

ضبط و ترتیب
ابو حامد - ادارۂ الحق

ارشادات حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمی مدظلہٗ
مہتمم دار العلوم دیوبند

قسط ۲

حیاتِ طیبہ — ایمانی زندگی

اب اس انسانی زندگی کو ذرا ایک قدم اور بڑھا دیجئے کہ طبع بشری کھانے پینے سے محض نفس کی رضا چاہتی تھی، جب عقل آگئی تو اب بنی نوع کی رضا سامنے آگئی کہ میرے سارے بھائی بند بھی راضی ہوں۔ اب اگر کسی کے اندر ان تمام افعال کے اندر یہ چیز بھی پیش نظر ہو جائے کہ تنہا میں راضی نہ ہوں نہ تنہا میرے بھائی بند، بلکہ میرا خدا بھی راضی ہو۔ تو اب یہ ایمانی زندگی شروع ہو گئی۔ وہی چیزیں اب ایمان کی حکومت کے نیچے آگئیں جو اب تک عقل اور طبیعت کی حکومت میں تھیں۔ عقل انسانی جماعت پسندی اور مفاد عامہ کی رہبری کرتی تھی۔ لیکن جب ایمان کی روشنی آئی تو اب یہ فکر پڑی کہ جب کھانا کھانے بیٹھے تو سوچے کہ کھانا اس طرح سے کھاؤں کہ میرا خدا بھی راضی، لباس پہنے تو اسے اس طرح پہنوں کہ میرا خدا بھی راضی رہے، ایسا لباس نہ پہنوں جو اس کے منشاء کے خلاف ہو۔ حدیث میں فرمایا گیا کہ بنی آدم میں مردوں کیلئے ریشم کا کپڑا پہننا حرام ہے۔ ریشم کا کپڑا پہننے سے نفس اور بھائی بند سے تو راضی ہو جائیں گے کہ بڑا عمدہ لباس پہنا ہے۔ مگر اللہ میاں راضی نہیں تو عقل اور نفس تو راضی ہو گئے مگر خدا راضی نہیں ہوئے۔ تو ایمان کی حکومت میں آکر آدمی سوچتا ہے کہ کون سا لباس جائز ہے کون سا ناجائز کون سا حلال اور کون سا حرام —؟ حدیث میں فرمایا گیا کہ سونے کا استعمال مردوں کے لئے حرام کرتا ہوں۔ کسی نے سونے کی انگوٹھی پہن لی تو قطعاً ناجائز ہے حرام ہے۔ فرمایا: حلیۃ اھل النار۔ اہل جہنم کا زیور ہے، یہ آگ کی طرف لے جائے گا۔

البتہ سونے کے بٹن کے بارے میں اجازت دی ہے شریعت نے لیکن اس وجہ سے کہ اس کو تابع سمجھا گیا ہے لباس کے۔ کہ جیسے لباس پر زری کا کام کیا جائے۔ تو بٹنوں کو کپڑوں کے

حکم میں سمجھا گیا ہے۔ پھول بوٹوں کی شکل میں۔ مگر بٹن کا بھی ایک مقدار ہے کہ دو تین ماشے سے زیادہ نہ ہو۔ بہت زیادہ وزنی پہنے گا تو یہ ہوسناکی ہو گی، اس کے ساتھ فقہاء یہ بھی قید لگاتے ہیں کہ اگر بٹن کا استعمال ہو تو بدن سے نہیں لگانا چاہئے بلکہ کسی کپڑے سے سی کر پہنا جائے تا کہ براہِ راست سونا بدن سے مس بھی نہ کرے، لباس سے اوپر سلی ہوئی ہو، اتنے قیود کے ساتھ اجازت دی گئی ہے ___

___ تو جب آدمی ایمانی زندگی کے نیچے آئے گا تو ایک بٹن بھی سامنے آئے گا تو سوچے گا کہ ___ کس کس طرح جائز ہے، کس کس طرح نہیں۔؟ کتنا پہنوں، کتنا نہ پہنوں، محض عقل تو اجازت دیدے گی کہ پانچ پانچ تولے کے بٹن پہن لو، چاہے تم ہار اور کنگن بھی پہن لو عقل نہیں روکے گی اس لئے کہ عقل زیادہ سے زیادہ نفس کی رضا چاہتی یا انسان کی رضا ___ خدا کی رضا۔؟ اس کا تعلق تو ایمانی زندگی سے ہے

اسی طرح کھانا کھانے کے لئے بیٹھے گا آدمی تو غور کرے گا کہ یہ خنزیر تو نہیں جو حرام ہے۔ یہ فلاں جانور کا گوشت نہیں ہونا چاہئے حرام چیز سے اس طرح بھاگے گا جیسے سنکھیا سے بھاگتا ہے۔ اس لئے سنکھیا مادی موت کا سبب ہے، اور حرام چیز کا کھانا روحانی موت کا سبب بن جاتا ہے۔ لیکن محض عقل۔؟ وہ تو ممانعت نہیں کرے گی، چاہے سانپ کھائے، خنزیر کھائے لیکن ایمان اجازت نہیں دیگا، اس واسطے کہ ہر گوشت ہر پوست میں ایک خاصیت ہے تو جیسے اطباء بُری خاصیت کی اشیاء کے کھانے سے ممانعت کرتے ہیں، اطبائے روحانی انبیاء علیہم السلام بھی بُری اشیاء سے روکتے ہیں۔ ہر گوشت کی ایک خاصیت ہے۔ خنزیر کی طبیعت میں بے حیائی اور بے غیرتی ہے۔ نجاست خور ہے غلاظت خور ہے۔ ایک خنزیر جسبت کرتا ہے دوسرے ہم جنسوں پر تو ویسے گندگی اور وہی صورت اس کے کھانے والوں میں بھی آئے گی۔ غلاظت، کدورت، بے حیائی اور بے غیرتی جیسے اوصاف پیدا ہوں گے۔ درندوں کا گوشت شیر، بھیڑیا کو حرام قرار دیا گیا کیونکہ ان کے گوشت کے اندر درندگی کی خاصیت ہے۔ تو انسان ان چیزوں کے کھانے والا اعلیٰ سے اعلیٰ جانور بن جائے مگر انسانیت ختم ہو جائے گی، اس لئے شارع نے ممانعت کی اور ایسے جانوروں کی اجازت دی جو اعتدال کا نشان رکھتے ہوں۔ کچھ مسکنت کی شان ہو بے غیرتی اور بے حیائی نہ ہو، حملہ آوروں کے جذبات نہ ہوں۔ تاکہ عدل پیدا ہو یہ خاصیت اللہ جانتا ہے کہ اُس نے کسی مخلوق کو کیسا بنایا اس کا حق ہے کہ وہ کہے کہ میں نے فلاں فلاں جانور حلال

کیا فلاں حرام کیا ۔ حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اھل بہ لغیر اللّٰہ حرام کیا گیا تم پر اور خنزیر اور مردار چیز جس کے روح نکل جانے پہ اس میں روحانیت کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا خالص مادیت رہ جاتی ہے اور خالص مادیت میں ایک تعفن ہے ۔ گندی چیز ہے ۔ روح اگر اس سے گندگی دفع کرتی ہے تو حق تعالیٰ جو شریعتوں کا بھیجنے والا اور ساری چیزوں کا پیدا کرنے والا ہے وہ جانتا ہے کہ میں نے کس چیز میں کیسی خاصیت اور کیا جوہر رکھا ہے ۔ اور کیا نہیں ۔ اسے حق ہے کہ کہے کہ فلاں چیز استعمال کرو فلاں مت کرو ، تو جب آدمی ایمان کے نیچے آجاتا ہے تو پھر اس میں کھانے پینے رہنے سہنے اوڑھنے میں رضائے خداوندی پیش نظر رہتی ہے کہ اگر مالک اور محسن ناراض ہوتا ہے تو مجھے حق نہیں کہ کوئی ایسا کام کروں ۔

اسی طرح نسل بڑھانے میں بھی یہی خیال رہے گا ۔ زنا سے بچے گا نکاح کی طرف آئیگا تو اگر ایمانی زندگی نہ ہو محض عقل ہو تو عقل محض میں زنا بھی حلال ہے اور نکاح بھی ، اس میں اس کا کوئی امتیاز نہیں کہ یہ نکاح ہے اور وہ سفاح ۔ تو طبع بشری میں محض نفس کی رضا پیش نظر ہوتی ہے ۔ عقل آجائے تو معاذ عامہ سامنے آتا ہے جسے ہم جمہوریت کہیں گے ، اور جمہوریت میں یہی ہوتا ہے کہ سب کی رائے سے ہے اور سب کی خوشی حاصل ہو جائے اور جب ایمانی زندگی آتی ہے ۔ تو جمہور سے بالاتر خدا کی رضا کا سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ راضی ہو جمہور راضی ہو یا نہ ہو سارے انسان مل کر بھی ناراض ہو جائیں تو یہ اسے گوارا کرے گا ۔ اللہ کو نہیں پروردگار کی رضا کو ہر چیز پہ ترجیح دے گا ۔

تو ایمانی زندگی کے اندر وہی تمام چیزیں ہیں جو اب استعمال میں آرہی تھیں صرف شکل بدل گئی اور شکل آگئی ، رضائے خداوندی کی ۔ کہ کس طرح مجھے حکم دیا میرے مالک نے حدیث میں فرمایا گیا کہ پانی پیو تو دائیں ہاتھ سے ، بائیں ہاتھ سے پیو گے تو شیطان شامل ہو جائے گا ، اور جب شیطان کا حصہ کھانے پینے میں آگیا تو نفس پہ شیطنت کے اثرات پڑیں گے ۔ اگر بایاں ہاتھ کھانے سے آلودہ ہو اور مجبور ہے کہ گلاس بائیں ہاتھ میں لیں تو کم سے کم دائیں ہاتھ کا کوئی حصہ لگا لیا جائے تاکہ دائیں سے پینا متحقق ہو جائے گا ۔ اس واسطے فرمایا کہ بائیں ہاتھ سے کھانا شیاطین کا کام ہے اور دائیں ہاتھ سے انبیاء کا ۔ کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یحب التیامن ۔ نبی کریم کو ہر شریف اور بہتر کام میں دایاں ہاتھ پسند تھا ، لباس پہنتے تو پہلے دایاں ہاتھ دائیں آستین میں ڈالتے ۔ پاجامہ پہنتے تو پہلے دایاں پیر دائیں پائنچے میں ، کنگھی کرتے تو پہلے دائیں جانب ،

دانت مارتے تو پہلے دائیں جانب کو، انگلی چلاتے تو اور کی جانب انبیاء کو پسند ہے۔ بائیں جانب سمجھی جاتی ہے خسیس اور دائیں جانب شریف۔ تو کثافت اور رذالت کے امور شیاطین کو پسندیدہ ہیں اور ہر چیز میں پاک صاف انبیاء کو پسند ہے۔ اسی طرح ایمانی زندگی کی وجہ سے کھانے پینے میں غور کرے گا کہ کھانا حلال کا ہو حرام کا نہ ہو۔ اس واسطے کہ دینی توفیق کا تعلق اکلِ حلال سے ہے حرام لقمہ جب پیٹ میں پہنچتا ہے تو توفیق دینی جذبات کے سلب ہو جاتی ہے۔ حلال پہنچتا ہے تو دین پر عمل اور محبت کے جذبات بھڑکتے ہیں اس لئے کہ دین بہرحال صاف چیز ہے۔ اگر کسی شخص کی طبیعت نہایت پاکیزہ اور ستھری ہے اس کے سامنے اگر کسی غلیظ آدمی کو پیش کرو تو منہ پھیرے گا اور اگر اس کی طبیعت گندی ہے تو جتنی غلیظ چیزیں سامنے آئیں گی اس کے لئے اتنا ہی خوشی کا موقع ہوگا۔ دکن کے جو بادشاہ تھے تاناشاہ ـــ مشہور ہے تاناشاہی تاناشاہی طبیعت کے ہیں۔ طبیعت بہت زیادہ نفیس و نازک تھی۔ جب نے ان پر قبضہ کیا دکن کے محلہ میں اور قیدی بنا کر فاتح کے سامنے پیش ہوئے تو تجویز ہوا کہ انہیں قتل کر دیا جائے تو انہوں نے کہا کہ جب مجھے بہرحال واجب القتل سمجھتے ہو تو اس کیلئے تم زیادہ جدوجہد مت کرو، میں آسان ترکیب بتائے دیتا ہوں ـــ مزاج میں تھی حد درجہ لطافت، تو کہا کہ کسی غلیظ عورت بھنگن کو گندگی لیکر سامنے سے گذار دو تو میں ختم ہو جاؤں گا، چنانچہ غلاظت کا ٹوکرا سامنے لایا گیا، بس وہیں دم نکل گیا، تحمل نہیں کر سکے۔

الغرض پاک صاف اور نفیس طبیعت ستھری چیزوں سے خوش ہوتی ہے۔ جو چیزیں پاخانہ میں پیدا ہوتی ہیں اگر اُسے باہر ڈالدو وہیں مر جائیں گی۔ اس لئے کہ غلاظت ان کا طبعی تقاضا ہے۔ اور صاف چیزوں پر ناپاک چیزوں سے مردنی چھا جاتی ہے۔ تو ہر چیز میں اسکی طبیعت کے مناسب جو چیز ہے، آتی ہے جبھی وہ زندہ رہتی ہے اور ایمانی طبائع کبھی برداشت نہیں کرتی لقمۂ حرام کو حتی کہ مشتبہ لقمہ کو بھی۔

ہمارے بزرگوں میں تھے حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ، ان کا تقویٰ اور طہارت مشہور ہے، فرماتے تھے کہ حق تعالیٰ کا میرے ساتھ معاملہ ہے کہ اگر نادانستگی میں بھی کوئی مشتبہ لقمہ پیٹ میں چلا جائے تو فوراً قے آجاتی ہے، تو انتہائی تقویٰ اور پاکیزگی بڑھتے بڑھتے حق تعالیٰ کا معاملہ ایسا ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ آدمی متقی بننے کی مشق کرے۔ جب تقوائے باطنی نصیب ہو جاتا ہے تو پھر حق تعالیٰ خود حفاظت فرماتے ہیں ـــ حضرت مولانا تھانویؒ اپنا ہی واقعہ بیان فرماتے تھے کہ میں

ایک دفعہ اعظم گڑھ گیا، اور اس ضلع میں چھوٹا سا گاؤں تھا سٹیشن سے چار میل دور، وہاں کے لوگوں نے مجھے بلایا تو وہاں سے جب فارغ ہوا اور ریل رات کو گیارہ بجے جاتی تھی، سردی کا زمانہ تھا، تو لوگوں نے کہا کہ سردی کا زمانہ ہے، اندھیری رات ہوگی بارشیں ہو رہی ہوں گی، اس لئے رات کو جانے میں تکلیف ہوگی، اس لئے مناسب ہے کہ عصر کے وقت سٹیشن پہنچا دیا جائے، رات کو ٹرین آئے گی تو سوار ہو جائیں گے تو حضرت کو سوار کر کے اسٹیشن لائے جو بہت چھوٹا سا تھا نہ ویٹنگ روم نہ مسافرخانہ، ایک ہی کمرہ تھا دفتر کا، اور اسی سے ملا ہوا مال گودام تھا، بوریاں وغیرہ بھرتے تھے۔ تو اسٹیشن ماسٹر تھا تو ہندو مگر بھلا آدمی اس نے دو چار بوریاں ہٹائیں اور مصلے کی جگہ بنائی اور کچھ آرام کی جگہ ہوگئی، حضرت سے کہا کہ آرام سے بیٹھیں، فرماتے تھے جب مغرب کا وقت ہوا تو میں نے نماز پڑھی اس کے بعد سنتیں اور اس کے بعد نفلوں کی نیت باندھی تو وہ اسٹیشن ماسٹر ایک لیمپ لیکر آیا تاکہ روشنی ہو جائے۔ فرماتے تھے حضرتؒ کہ معاً مجھے یہ خطرہ ہوا کہ مال گودام کیلئے گورنمنٹ نے کوئی لیمپ رکھا نہیں ہے۔ یہ محض میری وجہ سے لایا ہوگا، تو میں گویا غاصب ٹھہرا میرے لئے حق نہیں کہ اسے استعمال کروں۔ نماز میں ایک بے چینی شروع ہوگئی کہ اے اللہ تو نے ہمیشہ مجھے مشتبہ چیزوں سے بچایا ہے۔ یہ مشتبہ چیز آرہی ہے جس کا مجھے حق نہیں اس لئے تو ہی بچانے والا ہے۔ فرماتے تھے کہ بمشکل میں نے دو رکعتیں ختم کیں اور اس نے لیمپ رکھا نہیں بلکہ لئے ہوئے کھڑا ہے۔ جب میں نے سلام پھیرا تو اس نے آگے بڑھ کر کہا کہ میں یہ لیمپ لیکر آیا ہوں، اور یہ اسٹیشن کا نہیں میرا ذاتی ہے اس لئے لایا کہ اندھیرے کی تکلیف نہ ہو۔ فرماتے تھے کہ میں نے اتنی دعائیں کیں اس کے حق میں کہ اتنی رعایت ہے اس لئے اس نے خود محسوس کیا کہ مجھے حق نہیں۔ تو اپنے گھر سے لایا۔ تو طبیعت میں جب سلامتی ہو تو کافر بھی ہو قدرت رہنمائی کرتی ہے، بشرطیکہ مذہب کا کوئی جذبہ موجود ہو اخلاقی قدریں اس کے اندر ہوں۔

الغرض متقی جب تقویٰ تک پہنچ جائے تو ـــــ ع "می دہد یزداں مراد متقین" والا معاملہ ہو جاتا ہے، حق تعالیٰ ایسے راستے پیدا فرما دیتے ہیں کہ مشتبہات سے بھی بچائے مگر یہ جب ہی ہوتا ہے کہ تقویٰ باطنی کی عادت ڈالے جو تقویٰ ظاہر کا ہے وہ تو یہ ہے کہ برا عمل نہ کرے ناجائز نہ کرے، ہر کام جائز عمل کی حد میں اور ایک ہے باطنی تقویٰ وہ زیادہ دقیق ہوتا ہے ہر ایک کی رسائی نہیں ہوتی جب تک کہ اعلیٰ درجہ کا متقی نہ ہو۔

فقہاء لکھتے ہیں کہ اگر ایک شخص کوئی خوش رنگ شربت پینے بیٹھا ہے اور تصور میں یہ

باندھا ہے کہ میں شراب پی رہا ہوں۔ تو فرماتے ہیں کہ یہ گنہگار ہے اور اگر اسکی نیت کھل جائے تو حاکمِ وقت اسے سزا دے گا۔ وہ شربت بھی اس کے حق میں مکروہ تحریمی بن جاتا ہے۔ اس نے زبان سے اگرچہ شراب نہ پی مگر خیال سے پی لی۔ فقہاء لکھتے ہیں کہ ایک شخص اپنی بیوی کے پاس جاتا ہے اس کے ہاتھ تھامے ہوئے ہے اور دل میں دھیان ہے کہ فلاں اجنبیہ عورت جس سے مجھے عشق ہے یہ وہی اجنبیہ عورت ہے تصوّر اس کا باندھ لیا۔ تو فرماتے ہیں کہ یہ باطنی طور پر حکم میں زانی کا ہو جائے گا اس کے حق میں تب جائز ہوگا کہ تصوّر بدل کر توبہ کر دے تو دل میں تصورات بھی غلط طرح کے نہ ہوں برا تصور آئے گا تو آگے عمل شروع ہوتا ہے جذبات دل میں پیدا ہوتے ہیں تو عمل بھی ناپاک ہو جائے گا۔ اسے کہتے ہیں تقویٰ باطنی۔

انّ الذین اتقوا اذا مسّھم الشیطان۔ الخ۔۔۔ جو لوگ تقویٰ کی عادت ڈالتے ہیں اگر ناگہانی کسی غلطی میں پڑ جائے فوراً ان کی طبیعت میں روشنی پیدا ہوتی ہے، اور توبہ کر کے سنبھلتے ہیں۔ اس خیال سے بھی توبہ کرتے ہیں خیال سے تو عمل پیدا ہوتا ہے، خیالات کو اگر نہ روکے اور اجازت دے کہ جیسا رَو آئے تو چلتے رہو تو بہت سی بدعملیوں میں مبتلا ہو جائے گا آدمی ۔۔۔۔ اب کتنی دقیق بات ہے کہ فرمایا گیا ہے کہ اجنبیہ عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنا مکروہ ہے اجنبی کیلئے اس لئے کہ اسے خیال آئے گا کہ فلاں عورت کا بچا ہوا پانی ہے۔ اگر یہ دھیان بڑھ گیا تو ممکن ہے آگے بہت سے فساد پیدا ہوں۔ حدیث میں فرمایا: التقویٰ ھھنا۔ تقویٰ قلب کے اندر ہوتا ہے جب قلب کے اندر آجائے گا۔ تب عمل کے اندر پیدا ہوگا جب قلب میں نہ ہو تو قالب ہے۔ وہ کیسے متقی بن جائے تو بہر حال جب ایمانی زندگی آجاتی ہے تو خیالات پر بھی کنٹرول کرتا ہے کہ ایسے نہ ہوں جس سے اللہ ناراض ہو جائے۔

اس لئے کہ حق تعالیٰ شانہٗ جیسے آپ کے ہاتھ پیر دیکھتا ہے ایسے ہی اللہ دلوں کو بھی دیکھتے ہیں ۔۔۔۔ واللہ علیمٌ بذات الصدور ۔۔۔۔ ان اللہ لا ینظر الی صورکم واعمالکم ولکن ینظر الی قلوبکم ونیّاتکم ۔۔۔ تمہارے عملوں کو نہیں دیکھتا دلوں کو دیکھتا ہے کہ نیت کیا ہے اس کے اندر۔

تو دنیاوی بادشاہتوں کا قانون صرف بدن پر لاگو ہوتا ہے لیکن خدائی قانون تو قلب پر بھی لاگو ہوگا، دنیوی سلطنتیں بدعملی سے روک سکتی ہیں کہ چور نے چوری کی اسے جیل بھیج دیا۔ ڈکیت نے ڈکیتی کی اسے جیل بھیجا، لیکن قلب تو نہیں بدل سکتا وہ تو خدا کی حکومت سے بدلے گا۔"

دنیاوی حکومتیں افعال سے روکتی ہیں اور خدائی حکومت اور قانون ان برُے افعال کی نفرت دل میں ڈالتی ہے، تو جب تک اخلاقی حالت درست نہ ہو آدمی صحیح معنوں میں آدمی نہیں بن سکتا۔ اس کے لئے یہ بھی ضروری اور لازمی چیز ہے کہ اخلاقی حیثیت سے اس کے اندر نفرت پیدا ہو جائے بدعملی سے تو شریعت یہ بھی چاہتی ہے کہ برے افعال پر پابندی عائد کی جائے تاکہ لوگ بدعمل نہ بنیں اور یہ بھی ضروری ہے کہ ان کے اخلاق درست کئے جائیں تاکہ بدعملی سے لذت حاصل نہ ہو سکے بلکہ نفرت پیدا ہو جائے تو میرے عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہی کھانا پینا وہی سونا جاگنا وہی اٹھنا بیٹھنا وہی مکان بنانا، طبیعت حکومت کر رہی تھی، تو حیوانی زندگی جب عقل حکومت کرنے لگی تو انسانی زندگی بنی اور خدا کی وحی حکومت کرنے لگی، تو ایمانی زندگی بنی جو مادہ انسانی زندگی کا تھا، انہی افعال کو شائستہ اور بہتر بنا دیا تو شریعت اسلام آپ کو کھانے پینے تجارت زراعت سے نہیں روکتی، حکمرانی کو نہیں روکتی مگر ان ساری چیزوں کو شائستہ بناکر رضائے خداوندی کا ذریعہ بنا دے گی تاکہ آپ کے قلب میں شائستگی پیدا ہو جائے۔ تو اسلام جامع مذہب ہے وہ فقط نماز روزہ نہیں سکھلاتا بلکہ اس کا تعلق تخت سلطنت سے بھی ہے۔ گھریلو زندگی سے بھی میدانی اور جنگی زندگی سے بھی صلح سے بھی اور جنگ سے بھی کام وہی کیسے جو انسانی زندگی میں ہوں۔ مگر اس کا رخ دین کی طرف بدل دیتا ہے۔ قلب کا رُخ ذرا سیدھا کردو تو دین بن جائے گا۔

غزوۂ بدر میں حضرت علیؓ نے ابوجہل کو پچھاڑ دیا اور اس کے سینے پر چڑھ بیٹھے اور خنجر اٹھایا تو ابوجہل نے نیچے سے حضرت علیؓ کے منہ پر تھوک دیا، حضرت علی فوراً خنجر چھوڑ کر کھڑے ہو گئے۔ ابوجہل نے کہا: اے علیؓ میں تو تجھے بڑا دانشمند سمجھتا تھا۔ اب آپ دشمن پر قابو پا گئے اور دشمن بھی ایسا جو نہ صرف تمہارا بلکہ تمہارے پیغمبر اور دین کا بھی دشمن ہے۔ تو جو بدترین دشمن تھا تمہارے نزدیک آپ نے اس پر قابو پاکر چھوڑ دیا۔ اس سے بڑھ کر غیر دانشمندی کیا ہو گی؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ میں تجھ سے خدا کے لئے لڑنے آیا تھا جذبات نفسانی کی وجہ سے نہیں، تو جب منہ پر تم نے تھوکا تو نفس میں غیظ پیدا ہوا۔ اگر میں قتل کرتا تو نفسانی جذبہ سے قتل کرتا، اور میری عبادت تباہ ہو جائے گی۔ تو میں تو اللہ کے لئے لڑتا ہوں کہ تو اللہ کے دین کا دشمن ہے۔ اس کے کلمہ کو نیچا دکھانا چاہتا ہے۔ تو نفسانیت کا قتل کرتا للہیت باقی نہ ہوتی، تو اصل وہی تھی طبعی جذبے سے قتل کرتے، تو نفسانی جذبہ ہوتا اور زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا کہ محظوظ

ہو جاتے، لیکن ایمانی جذبے سے قتل کریں گے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میرا خدا راضی ہو اور مجھے آخرت میں اجر ملے۔ پس جو کام انسان کرتا ہے وہ سب کرتے ہیں۔ کافر کھاتا پیتا ہے، مومن بھی کھاتا پیتا ہے۔ وہ لڑتا ہے اور صلح کرتا ہے یہ بھی لڑتا ہے اور صلح کرتا ہے، فرق کیا ہے، وہ بحیثیت مومن کے ہر کام کرے گا، لوجہ اللہ کرے گا۔ کافر وہی کام اپنے نفس کو خوش کرنے کے لئے کرے گا۔ مومن میں نفسانیت ختم ہو جاتی ہے، وہ تو للہ فی اللہ کام کرتا ہے تو عمل میں فرق نہیں ہوتا نیّت اور روح میں فرق ہوتا ہے، ایک کا رخ ہے زمین کی طرف اور دوسرے کا عرش کی طرف، تو ایمانی زندگی فقط رخ بدلتی ہے، اعمال کو تبدیل نہیں کرتی، نفس مہذب ہو جائے تہذیب نفس اصل ہے تو یہ کہلاتی ہے۔ ایمانی زندگی۔ تو اگر ہم فقط کھانے پینے میں لگے رہیں فقط اوڑھنے پہننے اور سنوارنے میں لگے رہیں تو حیوانیت سے آگے نہ بڑھیں اور اگر قومی خدمت اور مفاد عامہ کیلئے کچھ کیا تو زیادہ سے زیادہ انسان بن گئے، لیکن مؤمن نہیں بنیں گے۔ اور مومن جب بنیں گے، تو ان سب چیزوں کو لوجہ اللہ کریں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے کہا اذ قال لہٗ ربہٗ اسلم۔ اے ابراہیم مسلم بن جاؤ تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ معاذ اللہ اب تک کفر میں تھے، اب قبول کرے وہ تو پیغمبر ہیں، سرچشمہ ہیں ایمان کے۔ تو مسلم بننے کے معنی ہیں گردن نہاد ہونے کے کہ اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دے کہ جو کام کرو اپنے نفس کی رضا کیلئے نہ کرو۔ قال اسلمتُ لرب العالمین۔ ابراہیمؑ نے کہا اے اللہ میں بن گیا مسلم۔ فرمایا کہ بن گئے تو اعلان کرو۔ قل ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للّٰہ رب العالمین لا شریک لہٗ وبذٰلک اُمرت وانا اوّل المسلمین۔ کہہ دے اے ابراہیم کہ میری نماز اور حج میرا جینا اور مرنا سب اللہ رب العالمین کے لئے ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔ تو میں ان اعمال میں کوئی شریک نہیں کرتا محض اللہ کی رضا کیلئے کرتا ہوں۔ مسلم بننے کا معنی یہی ہے کہ کھانا پینا مرنا جینا لوجہ اللہ بن جائے۔ تو ایمان اگر کوئی اور زندگی نہیں سکھلاتا، اسی انسانی زندگی کو مہذب اور شائستہ بنا دیتی ہے۔ اور جب یہ مکمل ہو جاتا ہے۔ تو اب اللہ کی رضا کیلئے لڑنا، مرنا اور جینا بھی ہے۔ (باقی آئندہ)

بقیہ: دعوات عبدیت حق ——— تھے، بس جو لوگ ان سے جڑ گئے وہ دنیا و آخرت میں محفوظ ہو گئے اور جنہوں نے حضورؐ کا ساتھ چھوڑ دیا ان کے لئے دنیا و آخرت کا خسران ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضورؐ کے دین پر چلنے اس کو پھیلانے اور اس نعمت عظمیٰ سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دے۔ آمین۔ وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین۔

ضبط و ترتیب : ادارۃ الحق

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم
کائنات میں اللہ کی سب سے بڑی نعمت

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے یہ تقریر پچھلے دنوں جامعہ اسلامیہ کشمیر روڈ راولپنڈی صدر میں نماز جمعہ سے قبل مولانا قاری سعید الرحمان صاحب کی دعوت پر ارشاد فرمائی۔ "ادارہ"

(خطبۂ مسنونہ کے بعد) الا تنصروہ فقد نصرہ اللّٰہ اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین اذ ھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللّٰہ معنا ــــ وقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بدء الاسلام غریبًا وسیعود غریبا فطوبیٰ للغرباء الذین یصلحون ما افسد الناس من بعدی ۔ اوکما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

میرے محترم بزرگو ! خداوندکریم کی نعمتیں جو بیشمار اور لا تعدّ و لا تحصیٰ ہیں ، جس قدر نعمتیں ہیں یہ سب کے سب اللہ جل مجدہٗ کیطرف سے ہیں ۔ وما بکم من نعمۃ فمن اللّٰہ ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں ، جو کچھ نعمت تم پر ہے چاہے وجود کی نعمت ہو یا وہ قویٰ جن پر جسم انسانی مشتمل ہے۔ یہ تمام نعمتیں جو تمہیں دی گئی ہیں ، ان سب کا دینے والا اللہ جل مجدہٗ ہیں ۔ اور خصوصاً انسان کے اوپر جو احسانات ہیں اللہ تعالیٰ کے وہ تو ان گنت ہیں ۔ انسان کو اکرمیت اللہ تعالیٰ نے عطا فرما دی ــــ ولقد کرمنا بنی آدم ۔ اس کو عزت اللہ رب العزت نے عطا فرما دی ، اسے اپنی صفاتِ کمالیہ کا مظہر بنا دیا ۔ یہ دیوار ہے تو وجود تو اس کو بھی دیا مگر یہ سننے والا نہیں دیکھنے والا نہیں ہے ۔ اس کے لئے صفتِ سمع و بصر اور صفت علم نہیں ہے ۔ مگر انسان کو اللہ نے سمیع بنایا ، بصیر بنایا ، عالم بنایا۔ اپنے صفات کا مظہر اور اپنا خلیفہ اس کو بنایا ۔ تمام عالم میں صرف اسے اجازت دی کہ تم قانون کے ماتحت رہ کر اس میں تصرف کر سکتے ہو ــــ ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا ۔ اللہ وہ

ذات ہے جس نے تمہارے منفعت کیلئے یہ سب چیزیں پیدا کیں۔ یہ چاند ہے، یہ سورج ہے، یہ زمین ہے، یہ پانی اور یہ ہوا ہے۔ یہ سب کے سب انسان ہی کے لئے ہیں۔ وسخر لکم مافی السموات والارض۔ اللہ نے آسمان اور زمین کی سب چیزوں کو تمہارے حق میں مسخر کر دیا۔۔۔ واسبغ علیکم نعمہ ظاہرۃً وباطنۃً ۔۔ ڈھانپ لیا تم کو خدا نے اپنی نعمتوں سے خواہ وہ ظاہری نعمتیں ہوں یا باطنی، واقعی انسان کے اوپر اللہ کا جو فضل وکرم ہے اس کا حد وحساب نہیں ۔۔ وان تعدوا نعمۃ اللہ لاتحصوھا۔ اگر خدا کی نعمتوں کو گننا چاہو تو نہ کر سکو۔ اس ایک آنکھ کی قیمت ہمارے پاس نہیں ہے۔ یہ جو زبان اللہ نے دی ہے اس کی قیمت ہمارے پاس نہیں ہے۔

غالباً ہارون الرشید تھے یا کوئی اور، کسی عالم اور عارف سے ملاقات ہوئی تو کہا کہ مجھے کچھ نصیحت فرمائیے تو انہوں نے فرمایا۔۔۔ دیکھو اگر تم کسی وقت کسی جنگل میں پھنس جاؤ اپنے ساتھیوں سے بھی الگ ہو جاؤ اور گرمی کی شدت کی وجہ سے تمہیں حد سے زیادہ پیاس لگے اور تم سمجھ گئے کہ اب پیاس کی وجہ سے میرا آخری وقت آگیا ہے۔ زندگی سے مایوس ہو چکے جتنا بھی پانی تلاش کیا اتنی ہی گرمی اور پیاس بڑھ گئی۔ ایسی حالت میں ایک شخص آیا جس کے ہاتھ میں ایک گلاس پانی ہے، اور آپ اسے کہتے ہیں کہ مجھے یہ پانی پلاؤ وہ کہے کہ مفت نہیں پلاتا اس کی قیمت وصول کروں گا۔ تو بتلائیں آپ کتنی قیمت اس کو ادا کر سکیں گے۔ ہارون نے سوچ کر کہا کہ اگر وہ مانگے تو میں آدھی سلطنت اس کو دیدوں گا، اس لئے کہ پیاس سے مرنے سے بہتر یہ ہے کہ میرے پاس ہزاروں میل کی حکومت نہ ہو۔ آدھی اسے دیدوں مگر زندہ تو رہوں گا، پھر اس عالم نے فرمایا کہ اگر آپ نے پانی پی لیا مگر وہ پانی بند ہو گیا۔ دوسرے راستہ سے اسے پیشاب کی شکل میں نکلنا تھا مگر پیشاب بند ہو گیا اور نکلنے کی کوئی صورت تمہارے پاس نہیں رہی، تم درد کی وجہ سے تڑپ رہے ہو، کراہ رہے ہو، ایسے وقت میں کہ آپ زندگی سے مایوس ہو گئے، ایک شخص آپ کے پاس پہنچتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے پاس اسکی دوائی ہے، پلا دوں گا تو پیشاب نکل جائے گا۔ اور تمہاری زندگی بچ جائے گی۔ مگر مفت نہیں دیتا اسکی قیمت لوں گا، تو بتلاؤ کہ کتنی قیمت دے سکو گے، ہارون نے کہا کہ میری آدھی سلطنت جو باقی ہے اگر وہ مانگنا چاہے تو اسے دیدوں گا۔ اس عالم نے کہا کہ دیکھو اس سے اللہ کی نعمتوں کا اندازہ لگا لو کہ ہم ایک گلاس پانی کی قیمت بھی ادا نہیں کر سکتے پھر اس ساری سلطنت کی کیا حقیقت ہے جبکہ ایک گلاس پانی پینے اور اس کے نکل جانے میں خرچ ہو جائے تو ہمارے اوپر جو کروڑوں نعمتیں ہیں کبھی ہم نے ان کا استحضار کیا ہے۔؟ اور دنیا

کی حقیقت پہ کبھی غور کیا ہے -؟ یہ جو قضائے حاجت کے لئے انسان چلا جاتا ہے - فراغت نصیب ہو جاتی ہے ، اطمینانِ قلب نصیب ہو جاتا ہے یہ بھی اللہ کی ایک عظیم نعمت ہے - حدیث میں آتا ہے کہ آدمی جب قضائے حاجت کے لئے جائے تو پاخانہ داخل ہوتے ہی پہلے بسم اللہ اعوذ باللہ من الخبث والخبائث - کہہ دے اور جب فارغ ہو جائے اور باہر نکل آئے تو کہہ دے الحمد للہ الذی اذھب عنی الاذیٰ وعافانی - (اوکما قال علیہ السلام) اور حدیث میں آتا ہے کہ جب قضائے حاجت ہو جائے تو کہہ دے ' غفرانک - یا اللہ میری توبہ قبول کر میں تیری مغفرت طلب کرتا ہوں -

ذرا دو منٹ سوچ لینا چاہئے کہ کہاں سے گندم چلی آئی ہے - امریکہ سے آئی ، کہاں کہاں سے آئی ---؟ کس کاشتکار نے بوئی ، کس نے کاٹی ، کس نے صاف کی اور پھر کن کن ذرائع سے راولپنڈی پہنچی ، پھر میں نے اس کو کھایا ، اس کے اصل اجزاء میرے جسم کا خون اور گوشت بنے اور جو فضلہ تھا وہ میرے بدن سے نکلا ، تو گویا یہ خدا کی کروڑوں نعمتیں ایک نوالہ میں سمٹ آئی تھیں پھر استفراغ ہوتا ہے تو اس میں بھی کروڑوں نعمتیں اللہ کی ہیں - اب اس پہ غور کر چکا ، تو کہہ دے یا اللہ اب تک تیری نعمتوں کی ناشکری کی آپ کی مغفرت چاہتا ہوں - غفرانک --- اور کہہ دے کہ وہ ذات خوبیوں کی مالک ہے جس نے مجھے عافیت عطا فرمائی -

الغرض قضائے حاجت میں بھی عبرت اور نصیحت کا اتنا پہلو نکل آیا - اس طرح غور و فکر کرنے سے ہماری زندگی کا ہر عمل عبادت بن جاتا ہے - استبراء میں یہ نیت کی کہ فراغت ہو تو میرا خیال اور دھیان عبادت کے دوران کسی اور طرف نہ رہے گا - اس نیت سے قضائے حاجت بھی عبادت بن جائے گی - حدیث میں ہے : لایصلین احدکم وھو یدافع الاخبثین - ایسی حالت میں نماز نہ پڑھو کہ تمہیں پیشاب اور قضائے حاجت نے پریشان کر رکھا ہو - اسی طرح بول و براز کو دیکھ کر اپنی حقیقت پر بھی غور ہو سکتا ہے کہ اسی ہی ذلیل پانی سے اللہ نے ہمیں پیدا کر کے احسن تقویم بنایا - ورنہ ہماری کیا حقیقت تھی ، اس طرح انانیت مٹ جائے گی - کہ ہماری ابتداء کس چیز سے ہوئی - پھر اب بھی جسم کے اندر یہی غلاظت بھری ہوئی ہے ، مگر اللہ نے حسن اور طہارت کا پردہ ڈال دیا ہے - پھر مرنے کے بعد بھی انجام جسم کا گل سڑ جانا ہے - اولک مذرۃ - تیری ابتداء گندہ پانی سے تھی - اوسطک قذرۃ ساری زندگی غلاظت جسم میں بھر کر پھر رہا ہے --- وآخرک مذرۃ - اور انجام کار مر کر ریزہ ریزہ ہو جانا - الغرض ان انعامات ربانی

کو سوچنے سے قضائے حاجت بھی ایک بہت بڑی نصیحت بن جاتی ہے۔ اسی لئے اسلام نے ان چھوٹی چھوٹی باتوں کے بھی آداب سکھائے۔ کتنے پتھروں سے استنجا کرنا چاہئے۔؟ اور کس ہاتھ سے۔؟ استنجا کا طریقہ سکھایا۔ کن کن مقامات پر استفراغ کیلئے بیٹھنا چاہئے اور کہاں کہاں نہیں۔ کس طرف رخ کرنا چاہئے اور کس طرف نہیں۔ الغرض تقریباً ستر آداب علماء نے قضائے حاجت کے بھی لکھے ہیں۔ اگر ان کا لحاظ کر لیا جائے تو اس ایک عمل میں جو طبعی اور غیر اختیاری ہے۔ ستر عبادتیں جمع ہو جاتی ہیں۔

—— تو بھائیو! ایک گلاس پانی اور ایک نوالہ کھانے پر اگر سوچو تو تمام سلطنت و دولت اور حکومت کے مقابلہ میں خدا کی صرف یہی ایک نعمت بھی بھاری معلوم ہو گی، ہم تو اسکی قدر اور صحیح ادراک بھی نہیں کر سکتے۔ وان تعدّوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا۔ جسطرح ان نعمتوں کا شمار کرانا محال ہے۔ اسی طرح کسی نعمت کی پوری قدر و قیمت کا اندازہ لگانا بھی ہمارے بس میں نہیں ۔۔

یہ جو ہوا ہے جسکی ہماری نگاہ میں کوئی حیثیت نہیں اور یہ اللہ کی شان ہے کہ جو چیز بہت ہی ضروری اور اہم ہے اور اس پر زندگی کا مدار ہے اسے اتنا ہی عام اور مفت کر دیا کہ کسی کے کنٹرول میں نہیں ہے یہ خدا کی خاص مہربانی ہے اگر ہوا بھی کسی کے کنٹرول میں دے دی جاتی تو ہماری زندگی ختم ہو جاتی۔ ہر وقت ہم سانس لیتے ہیں ذرا سا اگر اللہ نے ہوا کو حکم دیا کہ رک جا تو سارا کام تمام ہو جاتا ہے۔ یہ وہ چیزیں ہیں جنہیں ہم نعمت شمار ہی نہیں کرتے۔ ہماری توجہ بھی ادھر نہیں جاتی۔

—— یہ تو ساری نعمتیں ظاہری تھیں اور ان سب سے بڑھ کر جو نعمت دی اور جسکی خاطر یہ تمام نعمتیں وسیلہ اور ذریعہ بنا دیں۔ اور جس وجہ سے انسان کو شرافت اور کرامت اور اپنی خلافت سے نوازا وہ اسلام کی نعمت تھی —— ہم کو اللہ جل مجدہٗ نے مسلمان بنایا، اسلام کی نعمت عطا فرما دی۔ پھر یہ نعمت تمام انبیاء کے ذریعہ ان امتوں کو دی، مگر اس نعمت کی تکمیل اور اسے اتمام تک تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ پہنچا دیا۔ عبدیت جو مقصد تخلیق آدم تھا اسکی تکمیل حضورؐ سے کرا دی۔ اس لحاظ سے حضور کی ذات اور ان کا لایا ہوا دین اسلام اس کائنات میں سب سے بڑی نعمت ہے جو نہ پچھلی امتوں کو دی گئی، نہ قیامت تک کسی اور امت کو ملے گی، کیونکہ آپ کی امت پر امتوں کا خاتمہ کر دیا گیا، اور حضورؐ کی امت خیر امۃ اور خاتم الامم کہلائی اور یہ حضور کا امتی ہو جانا اللہ کی اتنی بڑی نعمت ہے ۔ جسکی اگلی سب امتوں نے تمنا کی کہ یا اللہ کاش ہمیں بھی یہ سعادت میسر ہو جائے کہ ہم حضور اقدس سید الکائنات رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں شمار ہو جائیں۔

دیکھئے اگر کوئی تھانیدار ہے مثلاً۔ تو اس کے چپڑاسی کی بھی عزت کی جاتی ہے کہ تھانیدار کا خادم ہے۔ لیکن اگر کوئی کمشنر کا خادم ہے تو اسکی قدر اور زیادہ ہوتی ہے، اور اگر کسی وزیر کا چپڑاسی ہے تو اس سے بھی بڑھ کر قدر ہوتی ہے اور اگر کسی بادشاہ یا صدر اعظم کا خادم ہے تو اس کی تو اور بھی قدر ہوتی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سید الانبیاء ہیں، سید الرسل ہیں، تمام انبیاء علیہم السلام عزت اور عظمت کے مالک ہیں، اللہ نے انہیں عزت دی اور بڑی عزت لیکن حضور اقدس جن کے بارہ میں ارشاد ہے کہ: وعلّمك ما لم تكن تعلم وكان فضل الله عليك عظيما۔ اللہ نے تمہیں وہ چیزیں سکھا دیں جو تو نہیں جانتا تھا اور اللہ کا فضل تجھ پر بہت بڑا ہے اور اس وجہ سے قرآن کریم میں حضور اقدس کو "نعمۃ اللہ" بھی کہا گیا ہے، جو تمام دنیا کے باشندوں کے لئے ہادی ہیں، جبوقت دنیا میں تشریف لائے اس وقت سے لیکر قیامت تک جتنی بھی روئے زمین پر مخلوق ہے چاہے جنّ ہو یا انس ہو سب کے لئے بشیر ونذیر اور ہادی اور سب کے لئے رحمت۔ وما ارسلناك الا كافة للناس بشيراً ونذيرا۔ اور ایک جگہ فرمایا: وما ارسلناك الا رحمة للعالمين۔ اور علماء نے لکھا ہے کہ اس وجود ناسوتی میں چاہے حضور اقدس مؤخر ہوں لیکن وجود کے لحاظ سے حضور اقدس اوّل المخلوقات ہیں۔ فرمایا: اوّل ما خلق الله نوری۔ اللہ نے ہر چیز سے پہلے میرا نور پیدا فرمایا۔

—— نیز ارشاد ہے: کنت نبیاً وآدم بین الماء والطین۔ یوم میثاق میں جب عہد و پیمان لیا جانے لگا۔ کیونکہ اللہ نے ہمیں جو دنیا میں بھیجا تو کسی کام کیلئے بھیجا اور وہ کام ہے عبادت۔ کہ اپنے مولیٰ کی بندگی ہم کریں اس کیلئے اللہ نے پیدائش سے پہلے انتظام فرمایا اور سب سے پہلے عالم میثاق میں یعنی اس عالم کا وجود میں آنے سے پہلے اللہ نے تمام ارواح کو پیدا فرمایا تو اس وقت سب کو ایک سبق تبلایا گیا۔ یہ خدا کا ماننا خدا کے وجود کو تسلیم کرنا یہ ایمان اور یقین وہی سبق ہے جو سکھایا گیا ہے۔ اور سب کو مخاطب ہو کر پوچھا الست بربکم۔ کیا میں تمہارا پالنے والا نہیں ہوں۔؟ تمہیں نیست سے ہست کرنے والا ہوں یا نہیں۔؟ تمہیں آہستہ آہستہ تدریجاً تدریجاً ترقی دینے والی اور کمال تک پہنچانے والی وہ کونسی ذات ہے۔؟ میں نہیں ہوں تو بتلاؤ اور کون ہے۔؟

—— تو علماء نے لکھا ہے کہ اُس وقت جواب دینے سے پہلے سب کے سب ارواح حضور اقدس کی روح اطہر وطیب کیطرف متوجہ ہوئے اور سب کے سب اس طرف دیکھنے لگے۔ جس طرح درس میں کوئی سوال پوچھا جائے تو سب کے سب طالب العلم ذہین، محنتی اور قابل و لائق طالب العلم کو دیکھتے ہیں کہ کیا جواب دیتا ہے۔ تو تمام عالم نے حضورؐ کی طرف دیکھا کہ کیا جواب دیتے

ہیں تو سب سے پہلے حضورِ اقدس نے فرمایا: بلیٰ انتَ ربنّا۔ یا اللہ کیوں نہیں۔؟ بیشک تو ہی ہمارا رب ہے تو ہی پالنے والا ہے۔ تو حضورؐ کو دیکھ کر تمام عالم کے ارواح نے پکار کر کہا بلیٰ انت ربنا۔ پھر ساری کائنات زمین اور آسمان سے اللہ نے دریافت کیا کہ تم میری تابعداری کروگے یا نہیں۔؟ تو کہتے ہیں کہ زمین کا وہ حصہ جس سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اطہر ومبارک بنا ہے۔ عالم ناسوتی میں سب سے پہلے اس نے کہا: ایتینا طائعین۔ یا اللہ ہم فرمانبردار ہیں خوشی سے آپ کا حکم مانیں گے پھر زمین وآسمان نے بھی یہی جواب دیا کہ یا اللہ ہم تیرے مطیع اور منقاد ہیں۔

—— تو حضورِ اقدس سارے عالم اور سارے کائنات کے استاذ الکل ہوئے عالمِ ارواح کو بھی عبدیت کا طریقہ سکھایا اور عالم ناسوتی کو بھی اسی طرف حدیث میں اشارہ ہوا کہ کنت نبیًّا وآدمؑ بین الماء والطین۔ حضرت آدم کی پیدائش سے پہلے مجھے نبوت کی خلعت دی گئی اور اس طرح حضورِ اقدس کے وجود مبارک کو اللہ نے کمالات کی تقسیم کا واسطہ بنادیا۔ بخاری شریف کی حدیث ہے انّما انا قاسمٌ واللّٰہ یعطی۔ میں تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ دینے والا ہے خدائے پاک جس چیز کی تقسیم چاہے۔ وجود کی تقسیم، علم کی تقسیم، جتنے کمالات تقسیم ہوتے ہیں وہ حضورِ اقدس کے واسطے سے ہیں اور اس کی مثال روئے زمین پر دیکھنا چاہیں تو سورج کو دیکھیں کہ روئے زمین پر ساری زمین اور سب چیزیں روشن اور منوّر ہیں۔ یہ روشنی خدا ہی پہنچاتا ہے۔ مگر بیچ میں واسطہ اللہ نے سورج کو بنا دیا جسکی روشنی ساری دنیا پر پڑ رہی ہے، اور سورج کی روشنی خدا ہی نے پیدا فرمائی ہے۔ انّما انا قاسم واللّٰہ یعطی۔ سارے کمالات کے دینے والے اللہ پاک ہیں اور تقسیم کرنے والے حضورِ اقدس۔

—— ایسی مقدس ہستی کا امت اللہ جل مجدہٗ نے ہمیں اور آپ کو مفت میں بنادیا۔ یہ کیسی عمدہ نعمت ہے۔! اور کتنی بڑی نعمت۔! —— پھر اس کا پورا اندازہ اور قدر ومنزلت کا علم تو قیامت اور آخرت میں لگے گا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ سب سے پہلے قیامت کے دن پُل صراط پر میں ہی گزروں گا اور میری امت میرے ساتھ ہوگی، سب سے پہلے جنت کا دروازہ میرے لئے کھلے گا۔ اور میری امت میرے ساتھ ہوگی، اور اسکی ایسی مثال ہے، کہ ملک کا ایک صدر ہے ایک وزیرِ اعظم ہے، ایک کمشنر ہے، سب الگ الگ موٹروں میں جارہے ہیں تو صدر کی گاڑی سب سے آگے جاتی ہے، اور جس گاڑی میں صدر ہوتا ہے۔ اسی کے خاص خادم بھی اسی گاڑی میں اس کے ساتھ ہوتے ہیں، جو جوتا اٹھائیں، پنکھا چلائیں اور خدمت کریں تو جہاں صدر اعظم کی گاڑی چلے گی خاص خادم اور ملازم بھی ساتھ ہوگا، وزیرِ اعظم اور اس کے ساتھی دوسرے نمبر پر کمشنر تیسرے نمبر پر

پہنچے گا۔ —— تو اللہ تعالیٰ ہمیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں میں شمار کر دے —— یہ غلامی کی برکت ہو گی کہ سب امتوں سے پہلے پل صراط پہ گذر ہو گا اور سب سے پہلے حضورؐ کے ساتھ جنّت میں داخلہ ہو گا۔ کہ غلام تو آقا کے ساتھ ہوتا ہے۔

حضور اقدسؐ فرماتے ہیں سب سے پہلے قبر سے میں ہی اٹھایا جاؤں گا۔ تو اللہ تعالیٰ ہمیں ہر جگہ یہ سعادت معیت نصیب فرما دے —— ہر نبی اپنی قوم کیلئے باعث ترقی، باعث افتخار اور باعث عزّت ہوتا ہے۔ اور اس امت کی جو ترقی بھی آپ دیکھ رہے ہیں یہ حضورؐ ہی کا صدقہ ہے۔ پھر امت کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک امت اجابت ہے جس نے حضورؐ کی دعوت قبول کر لی اور مسلمان ہو گئے۔ دوسری امت دعوت ساری دنیا کے انسان ہیں جنہیں حضورؐ دعوت دے رہے ہیں، کہ مسلمان ہو جاؤ آؤ اللہ کے در کی طرف جس نے بخوشی دعوت قبول کی اور کلمۂ شہادت پڑھا وہ امت اجابت میں شامل ہوا اور جو کافر ہیں وہ سب کے سب امت دعوت میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کو بھی دعوت ہے پھر حضور اقدسؐ جو اللہ کی صفت علم کے مظہر اتم ہیں۔ اوتیت علم الاوّلین والآخرین ۔ تو اس علم کا پرتو دونوں امتوں پر پڑ گیا اور آج جو دین کا علم ہے وہ تو مسلمانوں ہی میں ہے ۔ لیکن دنیوی علوم کا جو حصّہ اور جو ترقی سائنس اور عصری علوم کی شکل میں امت دعوت میں دیکھنے میں آتی ہے تو وہ بھی حضور علیہ السلام کے کمالات علم کا ظہور ہے ورنہ حضورؐ کی آمد سے پہلے یہ سب غیر متمدّن تھے۔ حضورؐ ان کو ہر وقت دعوت دے رہے ہیں علوم کا دروازہ کھول دیا اللہ نے نعمتوں کا دستر خوان بچھا دیا ہے۔ دروازے پر اس کا داعیؐ کھڑا ہے جس نے قبول نہ کیا محروم ہو گیا۔ حالانکہ دعوت سب کو ملی۔

—— تو میرے محترم بزرگو! یہ جو اللہ نے احسان و انعام فرمایا ہمیں مسلمان بنایا اور حضورؐ کی امت میں شمار کیا یہ اتنی بڑی نعمت ہے، اتنی بڑی نعمت ہے کہ اسکی کوئی حد نہیں۔ اور تمام دنیا کی نعمتوں کی تکمیل اسی ایک نعمت کے ذریعہ ہو گئی۔ اس ایک نعمت نے سب نعمتوں کو ٹھکانے لگا دیا۔ ہمارے اوپر دنیا میں جتنے بھی کسی نے احسانات و انعامات کئے تھے اس کی تکمیل حضورؐ کے ذریعہ ہو گئی ورنہ اگر حضور اقدسؐ کی برکت سے ہم اپنے مقصد حیات کو نہ پہنچاتے تو ساری نعمتوں کی ناقدری ہو جاتی اور یہ ساری چیزیں بالآخر ہمارے جہنم پہنچانے کا ذریعہ بنتیں۔ یہ سب نعمتیں ایمان اور عبدیت کی وجہ سے اپنے موقعہ محل میں خرچ ہو گئیں اور وہ حضورؐ کے صدقہ سے تو ہر نعمت بجائے مصیبت اور آفت کے نعمت بن کر رہی۔ ورنہ پوری انسانیت ان تمام

نعمتوں کے ساتھ جہنم کے کنارے پہنچ چکی تھی۔ وکنتم علی شفا حفرۃ من النار فانقذکم منھا۔ تم آگ کے گڑھے کے کنارے پہنچ چکے تھے مگر اللہ نے حضورؐ کے ذریعہ تمہیں بچا لیا۔

——— تو یہ بجا طور پر ایسی نعمت تھی جسے خداوند کریم نے بطور امتنان و احسان قرآن کریم میں جگہ جگہ ذکر کیا ——— لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولاً۔ ماں باپ سب سے بڑے محسن ہوتے ہیں، لیکن ایمان کی دولت نہ ہوتی تو ان کا پالا پوسا ہوا جسم جہنم کا ایندھن بن کر تکلیف کا سبب بن جاتا۔ استاد اور مربی کا بڑا احسان ہوتا ہے، لیکن اگر تعلیم اور تربیت ایمان کی روشنی سے خالی ہوتی تو یہی تعلیم و تربیت جو بظاہر احسان معلوم ہوتی تھی ہلاکت اور بربادی کا سبب بن جاتی۔ ان تمام احسانات میں روح حضورؐ کی تعلیمات اور ایمان و اسلام کی وجہ سے آگئی تو سب احسانات احسانات رہے، ورنہ یہی سب چیزیں سب سے بڑھ کر مصیبت ثابت ہوتیں۔

——— تو کائنات میں سب سے بڑھ کر نعمت اور اللہ کا سب سے بڑا احسان وہ حضورؐ کی ذات کی شکل میں ہے۔ اور ہم انسانوں پر سب سے بڑا کرم امت محمدیہ میں شامل کرنے کا ہے۔ ورنہ یہ ساری کائنات اور یہ تمام جسمانی نعمتیں جسم، بدن، قویٰ بے کار اور بے مقصد رہتے۔

دیکھئے یورپ سے بنی ہوئی مشین آتی ہے، کارخانوں سے پیک شدہ چیزیں آتی ہیں، دوائیاں پیکٹوں میں بند آتی ہیں اور ان پر استعمال کا طریقہ لکھا ہوتا ہے۔ ان اشیاء کے بنانے والے ان کے ساتھ کاغذ کا ایک پرزہ بھی رکھے ہوتے ہیں کہ تم اگر مشین سے فائدہ لینا چاہو تو ہر پرزہ اور ہر کل بنانے والے کی ہدایات کے مطابق استعمال کرو گے۔ یہاں انگلی رکھو اور اس پرزہ کو اس طرح سے گھماؤ تب مشین چلے گی اور صحیح نتائج برآمد ہوں گے۔ اور اگر غلط چلائی تو تباہ ہو جائیگی۔

——— تو اس طرح جب اللہ نے انسان بنایا اس کے فائدے کیلئے مختلف شکلوں میں لاکھوں نعمتیں دیں یہ آسمان و زمین اور یہ سارا کارخانہ اس کے لئے بنایا۔ تو اب انسان کے ذمہ کیا کام ہے۔؟ اور وہ مقصد اور نتائج کیسے برآمد ہوں گے جس کیلئے انسان بنایا گیا۔؟ وہ اس ساری کائنات میں کس طرح تصرف کریگا۔ یہ جو مشین تیار شکل میں ہمیں ملی ہے، اس کا کیا کام ہے۔؟ تو ان سب باتوں کا صحیح جواب وہی ہوگا جس کو حضورؐ نے تبلایا۔ اسی لئے اللہ نے رسول کو بھیجا کہ وہ اس ساری مشین کے استعمال کا صحیح طریقہ بتلا دے۔ ساری انسانیت کو صحیح کام پر لگا دے کہ یہ کس طریقہ سے اپنا معاشرہ قائم کریں گے۔ تمدن کیسے ہوگا۔ اسکی بود و باش رہائش اسکی زندگی اور موت کن طریقوں پہ ہوگی۔ اس کی حکومت کیسی ہوگی۔ یہ جب مریض ہو تو کیا کرے گا۔ تندرست ہو تو کیا کرے گا۔

فقیر ہو یا غنی ہو، امیر ہو یا رعایا ہر حالت میں کیسی زندگی گذارے گا۔ شادی کرے گا تو کیسے، زراعت کس طریق پر ہوگی اور تجارت کس طرح۔ لیٹے گا کیسے اور چلے گا کیسے۔

ان سب باتوں کے لئے ہدایات ہمارے مالک یعنی اللہ جل مجدہٗ نے بواسطہ نبی کریمؐ بھیجدیئے۔ ہر چیز کا طریقہ استعمال تبلا دیا۔ یہ جائز ہے یا ناجائز، یہ حلال ہے وہ حرام۔ یہ مفید ہے اور وہ مہلک۔ یہ سب حضورؐ کی تعلیمات ہیں۔ پوری کائنات کو صحیح طریقہ پر چلانے کے گر تبلانے والے حضور اقدس علیہ السلام ہیں۔ اگر دنیا ان کے تبلائے ہوئے تعلیمات پر اس کارخانۂ عالم کو چلائے گی تو سارا انتظام ٹھیک رہے گا، ورنہ ساری دنیا اور ساری انسانیت ہلاکت، بربادی، پریشانی اور اضطراب کا شکار ہوگی اور سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔

بھائیو! اگر اللہ کی دی ہوئی ان نعمتوں اور سب سے بڑی نعمت حضور اقدسؐ کی ہم قدر کریں گے۔ تو دنیا کی حکومتیں ہماری باجگذار بنیں گی۔ اور یہ واعظانہ بات نہیں بلکہ اپنی تاریخ آپ کے سامنے ہے۔ ریگستان میں رہنے والے عرب پرانے پھٹے کپڑوں میں ایران کے جرنیل رستم پہلوان کے سامنے جاتے ہیں۔ کسریٰ جرنیل نے دیکھ کر کہا کہ تمہارے ان پھٹے پرانے کپڑوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ تم غریب ہو، رزق کی تلاش میں ہو، تمہیں کپڑا، مکان، خوراک چاہیئے تو جاؤ گھروں میں بیٹھ جاؤ، جتنی ضرورت ہو ہم تمہیں بھیجتے رہیں گے۔ مگر ہمارا جرنیل کھڑا ہو کر کہتا ہے: کہ ارے کیا کہتے ہو ہم اُس ملک کے رہنے والے ہیں جو خشک تھا۔ بیشک ہم دنیا میں ذلیل قوم شمار ہوتے تھے، تہذیب و تمدن نہیں تھا، امیین تھے۔ ھوالذی بعث فی الامیین رسولا۔ مردار اور سوسمار کھایا کرتے تھے زندگی لوٹ مار ڈاکہ قتل مقاتلہ میں گذرتی تھی۔ جہاں کہیں اچھا پتھر ملا اُسے اٹھایا اور اسکی پرستش شروع کی، لات ومنات اور عزیٰ تو بڑی بات تھی کوئی خوبصورت پتھر بھی ہمارے لئے کافی ہوتا تھا۔ پھر اگر قضائے حاجت کے وقت استنجاء کی ضرورت پڑ جاتی اُسی پتھر کو استعمال کر کے دوسرا اٹھا لیتے۔ جیسا کہ آجکل بھی لوگوں کو مرض سا ہو گیا ہے کہ جہاں کوئی خوبصورت پتھر یا کوئی حسین وجمیل جگہ نظر آئی فوراً اس کا فوٹو لے لیا۔ خدا معلوم کیا بھلائی لوگوں کو اس میں نظر آتی ہے۔ حضورؐ نے تصویر کشی کی ممانعت فرمائی۔ فرمایا جس گھر میں جاندار کی تصاویر ہوں وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔ تو یہ تصویر کشی، بت پرستی اور دیگر خرابیوں کی جڑ ہے۔ نیز جس گھر میں کوئی مرد یا عورت جنابت میں پڑا رہ اور نماز کا وقت گذر گیا تو وہاں رحمت کا فرشتہ نہیں آتا۔ جس گھر میں بلا ضرورت کتا رکھا ہو فرشتے رحمت کے نہیں آتے اس لئے کہ کتے میں اپنی نوع سے

دشمن ہوتی ہے ۔ اگرچہ کتے میں کتنی خوبیاں بھی ہیں آپ ایک ٹکڑا اسے ڈالتے ہیں ۔ یہ مرجاتا ہے لیکن کسی کو گھر کے اندر آنے نہیں دیتا اور آپ کا گھر محفوظ رکھتا ہے ۔ اسی طرح ہمارے پاس بھی ایک گھر ہے خدا کا، جسے دل کہتے ہیں، اسے بھی تمام آلائشوں سے پاک صاف رکھنا چاہیئے ۔

حدیث میں آتا ہے :

لا یسعنی ارضی ولا سمائی ولکن	میری تجلیات کا تحمل نہ آسمان کر سکتا ہے
یسعنی قلب عبدی المومن	نہ زمین، لیکن میرے مؤمن بندہ کا دل میری
(او کما قال ؐ)	تجلیات کو سما لیتا ہے ۔

علماء لکھتے ہیں کہ حضرت آدم کا خاکی کالبد جب تیار ہوا اور چالیس برس پڑا رہا ۔ ھل اتی علی الانسان حین من الدھر ۔ الآیۃ ۔ تو ابلیس جو کسی وقت فرشتوں میں شمار ہوتا تھا مگر حسد بری بلا ہے، دوسرے کی نعمتوں کو دیکھ کر جل جانا، یہ بھی ایک ۔ بیماری ہے، جو سب کچھ ضائع کر دیتی ہے ۔ اور دوسری چیز ہے کبر اور غرور یہ دونوں مرض سب سے پہلے ابلیس سے ظاہر ہوئے ابلیس کو حضرت آدم پر حسد آیا اور حضرت آدم کی عزت کو نہ دیکھ سکا، کہا : ا ھذ الذی کرمت علیّ ۔ اس کو مجھ پر عزت دی ۔ اسے اپنا خلیفہ بنایا ۔ پھر دل میں ٹھانی کہ اسے نیچے دکھاؤں تو اس وقت سے شرارت شروع کی اور جہاں حضرت آدم کا قالب مبارک پڑا تھا وہاں ابلیس آکر اس کے ارد گرد گھومتا، چاروں طرف سے اسے ٹٹولتا، پیٹ پر ہاتھ پھیر کر خوش ہوتا کہ یہ تو کھوکھلا ہے ناک کان منہ دیکھ کر کہتا کہ ان راستوں سے داخل ہو کر اسے ورغلا سکوں گا ۔ لیکن حضرت آدم کے دل کو جب دیکھتا کہ چاروں طرف سے بند ہے تو مایوس ہوتا کہ اس کا کیا علاج ہوگا، اس پر کیسے اثر انداز ہوں گا، تو وہ جو حدیث میں آیا کہ میری تجلیات کو نہ زمین برداشت کر سکتی ہے نہ آسمان، تو اس لئے کہ دل بڑا نازک چیز ہے پورے جسم کی صلاح اور فساد کا دارو مدار دل ہی پر ہے، بظاہر چھوٹا مگر نزاکت اور اہمیت کے لحاظ سے بہت اونچا مقام رکھتا ہے ۔

چھوٹا سا شیشہ شفاف آئینہ سورج کے سامنے رکھدیں تو آفتاب کی شعاعیں اس پر پڑتی ہیں اور آفتاب کا سارا عکس اس میں آکر اسے آتشیں بنا دیتا ہے ۔ جبکہ اس پوری زمین اور بڑی بڑی بلڈنگوں میں سورج کے عکس کا انعکاس نہیں ہوتا ۔ کیونکہ ان میں کدورت ہے اور شیشہ صاف اور شفاف ہے ۔ اس لئے دل میں اللہ کی تجلیات سما جاتی ہیں ۔

تو شیطان کے پاس دل کا علاج نہیں تھا، مگر اس نے تکبر کیا تو اجنع ترک کی، حسد کیا تو اللہ

نے اُسے رسوا کر دیا۔ تکبّر تو کسی مخلوق کا شیوہ نہیں ہوتا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ہر شخص اگر سوچے کہ میری پیدائش دو گندے قطروں سے ہوئی اور آخر میں مر کر گل سڑ جانا ہے۔ اور زندگی بھر انسان کے بدن وجسم اور معدے میں خون اور غلاظت بھری رہتی ہے تو وہ تکبّر نہ کرے۔ جس شخص کی ابتدا اور انتہا ایسی ہو اس میں بڑائی اور تکبّر کا آجانا واقعی بڑی تعجب کی بات ہے، اللہ نے فرمایا کہ الکبریاء ردائی۔ بزرگی اور بڑائی تو میری چادر اور میری شان ہے۔ من نازعنی اکببتہ فی النار۔ جو مجھ سے یہ چادر چھیننا چاہے اُسے اوندھا منہ جہنم کے گڑھے میں ڈال دوں گا۔

محترم بزرگو! میں نے ایک آیت کریمہ اور ایک حدیث شریف سنائی تھی مگر چونکہ وقت زیادہ گذر گیا ہے اس لئے تشریح کا وقت نہیں رہا۔ آیت مبارک میں اللہ تعالیٰ نے شکوہ فرمایا اور تمام روئے زمین کے باشندوں کو مخاطب فرمایا ہے کہ میں نے تمہیں پیدا کیا، غیر متناہی احسانات تمہارے اوپر کئے اور تمہیں زندگی گذارنے کا طریقہ سکھانے کیلئے نبی آخر الزمان کو بھیجا، اب تمہارا کام یہ ہے کہ تم حضورؐ کی نصرت کرتے اور وہ اسطرح کہ حضورؐ کے دین کو سیکھو۔ اسلام کو دل وجان سے مانو۔ اسی امتیازی شان کی وجہ سے تمہیں خیر امت کہا گیا تھا کہ تم حضورؐ کے دین کیطرف لوگوں کو بلاؤ اس وجہ سے نہیں کہ تمہاری موٹریں بلڈنگیں زیادہ ہیں، کارخانے اور دولت تمہارے پاس زیادہ ہے، نہیں، بھائیو! ان چیزوں سے کوئی خیر امت نہیں بنتا، حضور اقدسؐ کی شان تو یہ تھی جیسا کہ خود فرماتے ہیں کہ میری اور مخلوق کی مثال ایسی ہے کہ کہیں آگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں اور لوگ پروانوں کی طرح گر گر کر اس میں جل رہے ہوں اور میں ایک ایک کو پکڑ پکڑ کر کھینچ رہا ہوں۔ وانا آخذ بحجکم۔ اللہ تعالیٰ بھی فرماتے ہیں کہ وکنتم علی شفا حفرۃ من النار فانقذکم منھا کہ تم خدا کی نافرمانی کی وجہ سے جہنم کے کنارے کھڑے تھے۔ گرنے والا کنارا۔ یہ اللہ نے مہربانی کی کہ حضرت خاتم الانبیاءؐ کو بھیج کر تمہیں جہنم سے بچا لیا۔۔۔۔ حدیث میں آیا ہے کہ میری امت ایسی ہے کہ لوگوں کو زنجیروں میں پکڑ پکڑ کر ہلاکت کی طرف سے کھینچتی ہے اور بچاتی ہے۔ جیسا کہ ایک دیوانہ کنوئیں میں کودتا ہے تو لوگ اسے زنجیروں سے باندھ لیتے ہیں کہ ہلاک نہ ہو۔ جہاد کا بھی یہی مقصد ہے کہ زور سے لوگوں کو بچایا جاتے کہ کیوں جہنم میں جاتے ہیں تو بہر حال اس امت کا تو یہ فریضہ تھا کہ حضورؐ کے دین کو پھیلاتے۔ اللہ نے فرمایا کہ اگر تم ایسا کر سکے تو اس میں تمہاری دنیا وآخرت کی سرخروئی ہے اور اگر بدقسمتی کی وجہ سے تم نے حضورؐ کا دامن چھوڑ دیا تو کوئی پرواہ نہیں، اللہ نے ہر نازک گھڑی میں حضورؐ کی مدد فرمائی ہے اس وقت بھی چند ہی غرباء اور سعادتمند جان نثار ساتھی حضورؐ کے ساتھ

باقی صـ ۱۲ پر

ہمارے لسانی جھگڑوں کا ایک بہترین حل — جناب مسعود عباسی ایم اے گلہڑہ گلی۔ مری

قسط دوئم

وقت کا تقاضا ـــــ عالمی زبان

اور

عربی

عالمی زبان کی خوبیاں | عالمی زبان کا درجہ وہی زبان حاصل کر سکتی ہے۔ جس میں کم از کم مندرجہ ذیل خوبیاں ضرور موجود ہوں :-

۱۔ مناسب ذخیرہ الفاظ۔

۲۔ جامع قواعد۔

۳۔ نئے کلمات کی گنجائش۔

۴۔ قابلِ قبول صوتی نظام۔

۵۔ اختصار۔

آیئے ان خوبیوں پر غور کریں اور جائزہ لیں کہ عربی یا کسی دوسری زبان میں ان کی کیا حیثیت ہے۔

۱۔ ذخیرہ الفاظ ــــ ذخیرۂ الفاظ کے بغیر کسی زبان کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ بشپ ولکنز نے جو زبان ایجاد کی تھی اس میں الفاظ کا ذخیرہ اس طرح نہیں تھا کہ ہر چیز کا ایک مخصوص نام ہو بلکہ ہر چیز کو لکھ کر بیان کرنے کا ایک مخصوص اشارہ تھا۔ "ولکنز" کو اس امر کی پروا نہ تھی کہ کس مفہوم کے بیان کے لئے کیا آواز پیدا کی جائے۔ بلکہ اسکی توجہ اس بات پر تھی کہ کس مطلب کے اظہار کیلئے قلم اور کاغذ کی مدد سے کیسا نقش بنایا جائے۔ غرض ولکنز نے ذخیرہ الفاظ کے بغیر زبان بنالی تھی۔ لیکن اس کا یہ مفہوم نہیں کہ اسے ذخیرہ الفاظ کی ضرورت نہ تھی بلکہ وہ موجودہ زبانوں کے الفاظ ہی کو اپنے مخصوص رسم الخط میں لکھ کر اپنا مدعا بیان کر لیتا تھا۔ ذخیرہ الفاظ میں سب سے بڑی خامی الفاظ و معانی میں ربط کا نہ ہونا ہے۔ اردو

میں ملاحظہ فرمائیں۔ ہاتھ اور ہاتھی۔ مال اور مالی۔ باغ اور باغی وغیرہ کلمات کے تلفظ اور صورتوں میں کس قدر قریبی تعلق اور ربط ہے۔ لیکن ان معانی اور مطالب میں ایک دوسرے سے دور کی نسبت بھی نہیں۔ دنیا بھر کی زبانوں اور خاص کر یورپائی زبانوں کے ذخیرہ الفاظ کی اسی خامی کے پیش نظر ۱۶۶۱ء میں " دالگرنو " نے اپنی وہ زبان ایجاد کی تھی جس میں ہاتھی، گھوڑا، گدھا اور خچر کے مفہوم کیلئے علی الترتیب نیکا۔ نیکے۔ نیکی اور نیکو کے کلمات تجویز کئے تھے۔

کلمات کے معانی اور تلفظ میں اگر ربط ہو تو ذخیرہ الفاظ پر عبور حاصل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس چند ہزار کلمات کا ذہن نشین کرنا بھی سالہا سال کی محنت چاہتا ہے۔ ہمارے نوجوان جو بی۔ اے کا امتحان پاس کرتے ہیں انہیں انگریزی کے صرف چار ہزار کلمات پر عبور حاصل کرنا پڑتا ہے۔ اور اس میں بھی ان کی قابلیت اور مہارت بالکل سطحی اور ابتدائی ہوتی ہے۔

عربی زبان کا ذخیرۂ الفاظ اس خامی سے پاک ہے۔ اگر کسی مقام پر یہ خامی محسوس ہوتی ہو تو اسکی اصل وجہ مرورِ ایام کے باعث زبان میں پیدا ہونے والی تبدیلیاں ہیں۔ ذیل کی مثالوں سے ہمارے اس بیان کی تائید اور تصدیق ہوتی ہے۔

۱۔ جاننا، پہچان، استاد، شاگرد، علم وغیرہ قبیل کے بیشمار اردو کلمات ہیں جن کے معانی میں قریبی ربط اور تعلق ہے لیکن الفاظ ایک دوسرے سے دور بھاگتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ لیکن اسی قبیل کے کلمات کو عربی میں دیکھیں تو معانی کا ربط الفاظ میں بھی بدستور موجود ہے۔ علم۔ معلوم۔ معلم۔ متعلم۔ معلومات۔ عُلَم عالِم عالَم علاّمہ اور علامات وغیرہ۔

۲۔ ہمارے ہاں ماں، باپ، اولاد اور بیٹا وغیرہ کلمات میں الفاظ و معانی میں ربط نہیں لیکن عربی میں ولد ولادت والد والدہ مولود اولاد مولد موالید تولید وغیرہ کلمات کس خوبی کے ساتھ لفظاً اور معناً دونوں حالتوں میں مربوط نظر آتے ہیں۔

۳۔ انگریزی کے HEAD (سر) اور CHIEF (سردار) کے تلفظ اور مفہوم میں جو بعد ہے وہ عربی کے رأس اور رئیس میں نہیں۔

غرض عربی زبان کے ذخیرہ الفاظ میں وہ خوبی موجود ہے جس کے لئے دالگرنو DALGARNO نے ایک مستقل لغت ترتیب دینے کی زحمت گوارا کی تھی۔

ذخیرہ الفاظ میں دوسرا بڑا نقص جو عربی کے سوا کم و بیش دنیا کی سب زبانوں میں پایا جاتا ہے وہ کلمات کا مختلف آوازوں (رکنوں) یا ACCENTS سے مرکب ہوتا ہے۔ کسی حد

تک چینی زبان اس عیب سے بچی ہوئی ہے، لیکن اس میں کلمات کے یک رکنی ہونے سے ایک دوسرا نقص پیدا ہو گیا ہے، اور وہ یہ کہ سابقوں اور لاحقوں کا استعمال نیز مادے سے مشتقات کا حصول اور ایک ایک کلمہ سے دوسرا کلمہ بنانا جیسے انگریزی میں ورڈ بلڈنگ (WORDS BUILDING) کہتے ہیں، مشکل ہو گیا ہے۔ چینی زبان کا یہ نقص ذیل کی مثال سے واضح ہو جاتا ہے۔

عربی میں ق - د - م (قدم) ایک مادہ ہے۔ اس سے جو بھی کلمات بنتے ہیں ان میں "قدم" کا مفہوم نمایاں طور پر نظر آجاتا ہے۔ اس کے برعکس چینی میں قدم کیلئے "پو" کا لفظ ہے اور قدوم کیلئے "لائی" کا لفظ ہے۔ عربی میں جو شخص قدم کے مفہوم سے باخبر ہے وہ قدوم اقدام مقدم مقدمہ تقدیم وغیرہ تمام کلمات کے مفہوم کے بارے میں صحیح نہیں۔ تو ناقص سا اندازہ لگا لیتا ہے، لیکن چینی میں "پو" کے مفہوم کی مدد سے "لائی" کے مفہوم کی بو بھی نہیں پائی جا سکتی۔ یا عربی میں "ذھب" کے مفہوم سے "مذہب" اور "ذاھب" وغیرہ کلمات کو سمجھا جا سکتا ہے۔ لیکن چینی میں "جی" (جانا) کے مفہوم سے واقفیت "دو" (راستہ) کا مفہوم سمجھنے میں ممد و معاون نہیں ہو سکتی۔

عربی زبان کے ذخیرہ الفاظ میں کم و بیش ۹۰ فیصد الفاظ سہ حرفی مادوں سے ماخوذ ہیں جن کے تلفظ کیلئے چینی کلمات کے تلفظ کی طرح لب و دھن کی ایک ہی جنبش کافی ہوتی ہے۔ جیسے بُعد - قبل - علم - حسن - خلق وغیرہ یہ کلمات چینی زبان کے کلمات کی طرح یک رکنی ہیں - اور ان میں چینی کلمات کے مقابلے میں ایک زائد خوبی ہے۔ اور وہ یہ کہ یہ سب کلمات مادے ہیں اور ان سے بیشمار ایسے کلمات بنائے جا سکتے ہیں، جن کے معانی و مطالب میں ان مادوں کے معانی پائے جاتے ہیں۔ جیسے مستبعد - استقبال - معلومات - استحسان اور تخلیقات وغیرہ گو یہ کلمات سہ رکنی اور چہار رکنی کلمات کی صورتیں اختیار کر گئے ہیں۔ اور اس طرح انہیں بیک جنبش لب و دھن ادا نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن ان میں خوبی یہ ہے کہ مادوں کے معانی پر اطلاع کے بعد ان کے مفہوم کا ادراک آسان ہو گیا ہے۔ گو شکل و صورت میں یہ نئے اور اجنبی معلوم ہوتے ہیں لیکن مادوں سے وابستگی بدستور موجود ہے جو انہیں نو آموز کیلئے مشکل یا بوجھل نہیں بننے دیتی۔

ماحاصل یہ کہ :

۱- عربی کلمات کے معانی کا ربط الفاظ میں بھی باقی رہتا ہے۔

۲۔ عربی کلمات چینی کی طرح ایک رکنی ہیں۔ لیکن چینی کلمات کے مقابلے میں ان میں ایک زائد خوبی ہے اور یہ وہ کہ یہ اپنے مادوں سے منسلک رہتے ہیں۔

اب رہا ذخیرہ الفاظ کا محدود ہونا، سو اس پہ اختصار پر بحث کے دوران روشنی ڈالی جائے گی۔ انشاءاللہ

قواعد | عالمی زبان کی دوسری خوبی یہ ہے کہ اس کے قواعد (GRAMMER) مختصر سادہ اور جامع ہوں ممکن ہے بعض لوگ عربی صرف و نحو کی موٹی موٹی ضخیم کتابوں اور رات دن محنت کرنے والے صرفی اور نحوی طالب علموں کو دیکھ کر یہ گمان کرتے ہوں کہ قواعد کے اعتبار سے عربی عالمی زبان ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی زبان کے قواعد کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ نمبر ایک عام بول چال کی زبان کے قواعد۔ اور نمبر دو زبان کی اصل اس کے مادوں اور مستقات کی تحقیق۔ بظاہر ایک سے معانی رکھنے والے کلمات کے باریک امتیازات اور ان کے معیاری محل استعمال وغیرہ کے بارے میں مفصل معلومات بہم پہنچانے والے قواعد ہمارے عربی مدارس میں جن کتابوں پر محنت کی جاتی ہے وہ قواعد کی اس دوسری قسم سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جو لوگ کسی زبان کو اسکی عالمی یا بین الاقوامی حیثیت سے ثانوی زبان کے طور پر سیکھیں گے انہیں اس دوسری قسم کے قواعد کے مطالعہ کی ضرورت نہیں ہو گی۔

یہ ایک ضمنی بات تھی جو ایک شبہ کے ازالہ کی خاطر عرض کی ہے — آئیے اصل مدعا کی طرف :

زبان کے قواعد دو قسم کے ہوتے ہیں :

۱۔ صرفی قواعد

۲۔ نحوی قواعد

صرفی قواعد میں مادوں سے مشتقات بنانے اور ایک قسم کے کلمات سے دوسری قسم کے کلمات بنانے یعنی (WORDS BUILDING) کے طریقے بتائے جاتے ہیں۔ چونکہ مادوں سے مشتقات بنانے کا سلسلہ سامی زبانوں کا خاصہ ہے۔ اور زبانوں کی اس شاخ میں صرف عربی ہی ایک زندہ زبان کی حیثیت رکھتی (عبرانی کے تن مردہ میں یہودیوں کی قومی اور نسلی برتری کی تحریک نے حال ہی میں روح ڈالنے کی کوشش کی ہے جو ابتدائی مراحل میں ہے) اس لئے صرفی قواعد عملی طور پر عربی ہی سے مخصوص ہیں۔ گو دوسری زبانوں میں "صرف"

کی اصطلاح موجود ہے، لیکن وہ "صرف" جیسے باقاعدہ فن کا درجہ حاصل ہے، صرف اور صرف عربی میں ہے۔ اور اس کے چند ابتدائی اور سادہ قواعد کے علم سے انسان عربی کے ذخیرہ الفاظ میں وسیع اور گرانمایہ اضافہ کر لیتا ہے۔ جو دوسری زبانوں میں سالہا سال کی محنت کے بعد بھی حاصل نہیں ہوتا۔ ذیل کی مثال سے ہمارے دعوے کی تصدیق کی جا سکتی ہے۔

باپ۔ ماں۔ بیٹا۔ بیٹی۔ پیدائش۔ جائے پیدائش وغیرہ مختلف کلمات ہر زبان کے ذخیرہ الفاظ میں شامل ہیں اور نو آموز کیلئے ان کا سیکھنا ضروری ہے۔ لیکن عربی میں علم صرف نو آموز کو ان مختلف کلمات کے یاد کرنے کی زحمت سے نجات دلا دیتا ہے۔

قواعد کی دوسری قسم یعنی نحوی قواعد میں بتایا جاتا ہے کہ کس طرح کلمات کی ترکیب اور ترتیب سے مرکبات بنائے جاتے ہیں۔ اس بارے میں عربی کے قواعد نہایت سادہ مختصر اور جامع ہیں۔ "اسپرانتو" اور چینی زبان کے علاوہ کسی زبان کے نحوی قواعد اختصار اور جامعیت میں عربی کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ سچ پوچھو تو اسپرانتو اور چینی کے نحوی قواعد عربی کے نحوی قواعد کی طرح مختصر ضرور ہیں لیکن جامع ہرگز نہیں۔ چینی میں اجزائے کلام (PARTS OF SPEECH) کی ترکیب کا خیال تو رکھا جاتا ہے، لیکن ترتیب کا چنداں اہتمام نہیں کیا جاتا بس آگے پیچھے کلمات رکھ دینے سے جملہ بن جاتا ہے۔

عربی زبان کے نحوی قواعد کلیات کی حیثیت رکھتے ہیں اور اجزائے کلام کی ترتیب میں تبدیلی جملے کے مفہوم میں تبدیلی پیدا کر دیتی ہے۔ "ضرب زید" اور "زید ضرب" کی دونوں ترتیبیں درست ہیں لیکن ان کے فرق سے معانی و مطالب میں بھی فرق آگیا ہے اور لطف یہ کہ جسطرح کلمات کی ترتیب میں معمولی تبدیلی ہوئی ہے، اسی طرح معانی میں بھی ایک لطیف سا فرق آیا ہے۔

حروف علت | عربی کے صرفی قواعد میں تعلیلات والے حصے کو مشکل تصور کیا جاتا ہے۔ لیکن حروف علت کی ان تبدیلیوں کا دوسری زبانوں کے حروف علت کی تبدیلیوں سے مقابلہ کیا جائے تو عربی کا مقام بلند نظر آتا ہے۔ عربی میں صرف تین حروف علت ہیں۔ ا - و - ی اور یہ تین ہی آوازوں کے لئے مخصوص ہیں۔ اس کے برعکس انگریزی میں پانچ حروف علت (VOWELS) ہیں۔ اور ان کی تیرہ ۱۳ قسم کی مختلف آوازیں - عربی کا طالب علم بتا سکتا ہے کہ قول قال اور قیل و-ا اور ی ایک دوسرے سے کیوں بدل گئے ہیں، لیکن انگریزی کا طالب علم چھوڑ استاد بھی نہیں بتا سکتا کہ BEGIN (شروع کرنا) BEGAN اور BEGUN میں ——— I ، A ، U

حروفِ علت ایک دوسرے سے کیوں بدل گئے ہیں۔ یا کیا وجہ ہے کہ COME کا O دوسری فارم میں A سے اور تیسری فارم میں پھر O سے کیوں بدل جاتا ہے۔

اسپرانتو جو مصنوعی زبان ہے اور جس کی ترتیب کا مقصد ہی قدرتی زبانوں میں پائی جانے والی قواعد کی خرابیوں سے پاک وصاف زبان کی ضرورت کا پورا کرنا ہے۔ اس میں بھی پانچ حروفِ علت ہیں اور بالائے ستم یہ کہ مرکب حروفِ علت کی ایک الگ قسم موجود ہے جس میں دو حرف علت ملکر ایسی آواز پیدا کرتے ہیں جو دونوں اجزا کی آوازوں سے مختلف ہوتی ہے ـــــــ۔

کلمات تعریف وتنکیر | عربی میں "ال" کلمہ تعریف ہے۔ اور عام حالات میں اس کا نہ ہونا تنکیر کی علامت تصوّر کیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس انگریزی میں THE کلمہ تعریف اور A اور AN دو تنکیر کے کلمات ہیں۔ اور ان کے استعمال کے قواعد الگ باعث تشویش ہیں۔ جرمنی میں تذکیر و تانیث کے اعتبار سے اسماء کی تین قسمیں ہیں اور ہر قسم کے لئے کلمۂ تعریف الگ ہے۔ مذکر کیلئے DER مونث کیلئے DI اور بے جان کیلئے DAS ہے۔ اس قاعدے کے مطابق باغ (GARTAN) جو بے جان چیز کا نام ہے، اس کے ساتھ DAS کلمہ تعریف لانا چاہیئے تھا۔ لیکن جرمنی میں DER GARTAN استعمال کرتے ہیں۔ گویا باغ جاندار مذکر ہے۔ اسی طرح دیوار (WAND) بے جان کے ساتھ DI لگاتے ہیں۔ گویا دیوار جاندار مؤنث ہے اور KIND (بچہ) کو بے جان فرض کرکے DAS KIND کہتے ہیں

چینی جسے قواعد کے اختصار پر ناز ہے، اس میں ایک نہیں دو نہیں پورے گیارہ آرٹیکل ہیں۔ ۱۔ کہ ۲۔ تنگ ۳۔ کوان ۴۔ چن ۵۔ پا ۶۔ ژو ۷۔ ٹو ۸۔ چی این۔ ۹۔ گو ۱۰۔ ژنگ۔ اور ۱۱۔ چانگ۔ یہ گیارہ کے گیارہ کلمات تنکیر ہیں۔ جن کی جگہ عربی میں عام طور پر صرف تنوین یا کلمہ تعریف کا نہ ہونا کافی سمجھا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ اسمائے اشارات کو کلمات تعریف کی جگہ استعمال کیا جاتا ہے۔ "چے کہ" اسم اشارہ بھی ہے۔ اور کلمہ تعریف بھی "چے کو جن" (CHE KO JEN) کے معنی ہٰذا الرجل یا ھذا الرجل ــــ مزید ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ چینی لوگ بعض اوقات کلمہ ربط "ہے" یو (YO) یا "شی" حذف کر دیتے ہیں۔ اس صورت میں CHE KO JEN کا تیسرا ترجمہ ہوگا۔ "ھذا الرجل" انگریزی میں CHE KO JEN کے چار مفہوم سمجھے جا سکتے ہیں۔

۱۔ الرجل THE MAN ۲۔ ھذا الرجل THIS MAN

۳۔ هٰذا رجلٌ THIS IS MAN ۴۔ هٰذا هو الرجل THIS IS THE MAN

نئے کلمات | انسان علم ودانش اور خاص کر سائنس اور سیاسیات میں پیہم ترقی کر رہا ہے۔ روز بروز نئے نئے تجربات اور نئی نئی ایجادات واختراعات ہو رہی ہیں۔ اس لئے زبان میں نئے اور جدید کلمات کی ضرورت پیدا ہوتی رہتی ہے، جو زبان نئی تحقیقات کے دوش بدوش نئے کلمات پیش نہیں کرسکتی وہ رفتہ رفتہ متروک اور مردہ ہو جاتی ہے۔ عالمی زبان کیلئے ضروری ہے کہ اس میں نئے کلمات وضع کرنے کی گنجائش اور صلاحیت ہو۔ عہد حاضر کا ایک ماہر لسانیات بوڈمر (BODMER) لسانیات پر اپنی تصنیف THE LOOM OF LANGUAGE میں موجودہ عالمی اور خاص کر مصنوعی (ARTIFICIAL) زبانوں پر بھرپور تنقید بلکہ تنقیص کے بعد عالمی زبان کیلئے اپنی تجویز پیش کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:

"عالمی زبان کا ذخیرہ الفاظ ایک ہزار کلمات سے کسی صورت میں بھی زیادہ نہیں ہونا چاہئے۔ اور مختلف علوم کیلئے الگ الگ فرہنگیں تیار کی جائیں تاکہ جو شخص کسی خاص علم سے دلچسپی رکھتا ہو وہ ان فرہنگوں کا مطالعہ کرکے ذخیرہ الفاظ کی کمی کو پورا کر لیا کرے۔ (کتاب مذکورہ صفحہ ۵۱۱)

براعظم یورپ کے مختلف ملکوں میں موجودہ رائج زبانوں کے پیش نظر "بوڈمر" کی یہ تجویز معقول ہے کہ عام بول چال کیلئے عالمی زبان کا ذخیرہ الفاظ ایک ہزار کلمات تک محدود ہونا چاہئے۔ اور علم کی مختلف شاخوں میں تحقیق تک کرنے والوں کے لئے الگ اصطلاحات وضع کی جائیں۔ لیکن عربی زبان کیلئے نہ تو ایک ہزار کلمات تک ذخیرہ الفاظ کا محدود رکھنا ضروری ہے۔ اور نہ ہی مخصوص لوگوں کیلئے الگ فرہنگوں کا تیار کرنا ضروری ہے۔ عربی میں نئے کلمات وضع کرنے کا ایسا نظام موجود ہے کہ قواعد کی مدد سے روز بروز بڑھتی ہوئی ضرورتوں کے مطابق نئے کلمات وضع کئے جاسکتے ہیں اور لطف یہ کہ یہ نئے کلمات زبان کے بنیادی ذخیرہ الفاظ میں اضافہ کا باعث بھی نہیں ہوں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے تو آپ عربی میں ذخیرہ الفاظ بجائے ایک ہزار کے دس ہزار تک بڑھا سکتے ہیں۔ اس لئے کہ عربی میں دس یا اس سے بھی زیادہ لفظوں کے یاد کرنے کی محنت دوسری زبانوں کے ایک لفظ کے یاد کرنے سے زیادہ نہیں ہوگی۔

دوسرے یہ کہ عربی میں ہر نیا کلمہ معلوم مادوں سے معلوم قاعدوں کے مطابق وضع کیا جائے گا۔ جس کا مفہوم اس کے وضع کئے جانے سے پہلے ہی واضح اور معلوم ہوگا۔

عربی کی ابتدائی تصریف کے قاعدے جاننے والے مبتدی بھی ایسے ایسے کلمات

وضع کر لیتے ہیں جو نہ تو مستعمل ہیں اور نہ ہی ان کی ضرورت ہے - چہ جائیکہ نئے کلمات کی ضرورت ہو اور وہ وضع نہ کئے جا سکیں۔

صوتی نظام | عالمی زبان کیلئے ضروری ہے کہ اس کے کلمات کا تلفظ آسان اور دنیا بھر کی اقوام کیلئے قابلِ قبول ہو۔ یہ خوبی بھی عربی میں دوسری زبانوں کی نسبت بدرجۂ اتم موجود ہے۔ ث، س، اور ص کا فرق - نیز ذ، ز، ض اور ظ کا امتیاز اور اسی طرح ق اور ک کا فرق بظاہر عربی زبان کے تلفظ کی خامی نظر آتا ہے۔ لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کی مختلف اقوام اور مختلف آب و ہوا میں پرورش پانے والے مسلمان بچے قرآنِ کریم کی تلاوت درست تلفظ کے ساتھ کرتے ہیں۔ اور ہر ملک کے قاری بین الاقوامی قرأت کے مقابلوں میں حصہ لیتے ہیں۔ اور ایک سے ایک کا تلفظ مثالی ہوتا ہے۔ تو اس سے اس امر کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ کہ عربی کا تلفظ دنیا بھر کی اقوام میں رائج ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے یہ درست ہے کہ ایک چالیس سالہ بوڑھے انگریز کو ہم ص اور س کا فرق نہیں بتا سکتے لیکن کیا انگریزی کے حروف T، G، D اور R تلفظ ایک چالیس سالہ عرب نژاد شخص کے لئے ناممکن نہیں ــــ؟ انگریزی کے R، L اور S کا تلفظ ہم پاکستانیوں کے لئے بھی مشکل ہے۔ جو محکمۂ تعلیم کا اسی فیصد بجٹ اس زبان کی درس و تدریس پر صرف کرتے ہیں۔ اور آج تک یہ فیصلہ نہیں کر سکے کہ اصل لفظ "سکول" ہے، یا "اسکول" اسی طرح "سٹیشن" کہنا چاہئے۔ یا "اسٹیشن" انگریزی کے R اور L کے تلفظ کی مشابہت کا یہ عالم ہے۔ جاپانی میں LONDON (لندن) کو RONDON (رنڈن) لکھا جاتا ہے۔

چھوڑئیے انگریزی کے تلفظ کو اس کے بارے میں انگریزوں کا اپنا تاثر یہ ہے کہ اس کا صوتی نظام قابلِ قبول نہیں۔ انگلینڈ، سکاٹ لینڈ، آئرلینڈ اور ریاستہائے متحدہ کے لوگوں کے تلفظ میں فرق انگریزی کے ناقص صوتی نظام کی زندہ مثال ہے۔ آئیے ان زبانوں کا جائزہ لیں جنہیں اہلِ یورپ نے تلفظ کے نقائص سے پاک قرار دیا ہے۔

اسپرانتو جو یورپ کے ماہرینِ لسانیات کا آخری شاہکار ہے۔ اس میں Ĥ، C، Ĵ، R اور Ŭ کا تلفظ بہت سی یورپی اقوام کیلئے ناقابلِ قبول ہے۔ انگریزی بولنے والی اقوام ان حروف کے علاوہ T اور D پر بھی معترض ہیں کہ ہمارے لئے یہ حروف جن آوازوں کے لئے مخصوص ہیں ان کا ادا کرنا مشکل ہے۔

عربی میں ۲۹ حروف ہجا ہیں۔ اور ہر حرف ایک مخصوص آواز کیلئے ہے۔ اس کے برعکس انگریزی میں ۳۱ حروف ہجا ہیں جن سے ۵۵ آوازیں پیدا کی جاتی ہیں۔ اب اگر انگریزوں کو عربی کی ۲۹ آوازیں قبول نہیں تو عربوں کو انگریزوں کی ۵۵ آوازیں کیونکر قبول ہو سکتی ہیں۔ چینی زبان میں دو ہزار کلمات کی ادائیگی کے لئے چار سو نو (۴۰۹) آوازیں پیدا کی جاتی ہیں، جن میں سے بہت سی آوازیں خود چین کے مختلف علاقوں کے لوگوں کیلئے مشکل ہیں۔ غرض دنیا بھر کی زبانوں کے تلفظ کے مقابلے میں عربی کا تلفظ آسان ترین ہے۔

یہ ایک اصولی بات ہے کہ جس زبان میں ابتدائی اور مفرد آوازیں کم سے کم ہوں گی، اس کا تلفظ آسان ہوگا۔ نیز آسان تلفظ اور قابل قبول صوتی نظام کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ایک آواز کیلئے ایک حرف اور ایک حرف ایک ہی آواز کے لئے مخصوص ہو۔ انگریزی میں C ک، س، چ اور ش کی مختلف آوازیں دیتا ہے۔ گویا الحرف ایک آواز کیلئے مخصوص نہیں۔ اسی طرح ایک ش کی آواز کیلئے C، S، SS، SH اور TIO کے حروف استعمال ہوتے ہیں۔ گویا ایک آواز کیلئے ایک حرف مخصوص نہ رہا۔ اسپرانتو میں C تّ اور سؔ دونوں کی مرکب آواز دیتا ہے، جبکہ K اور T ان دونوں آوازوں کے لئے الگ الگ موجود ہیں۔ اسی طرح اسپرانتو میں چ کیلئے Ĉ اور CH دونوں مستعمل ہیں۔

عربی میں صوتی نظام کی یہ خصوصیت پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہے ـــــــ

ـــــــ قابل قبول صوتی نظام کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ اس کے کلمات میں نہ تو کوئی حرف زائد ہو جس کی آواز نہ ہو اور نہ ہی کوئی ایسی آواز ہو جس کے لئے حرف نہ ہو۔ دنیا کی بیشتر زبانیں اس خصوصیت سے محروم ہیں۔

انگریزی میں DOUGHTER (ڈاٹر) میں U، G، اور H کی آواز نہیں، یہ تینوں حروف تلفظ کے اعتبار سے زائد ہیں۔ اور EXAMINATION (ایگزامینیشن) میں X کی آواز G اور Z کی ہے۔ اور CUT میں U، A کی جگہ استعمال کیا گیا ہے۔ اور COUGH (کف) میں F (ف) سرے سے موجود ہی نہیں اور اسکی آواز پائی جاتی ہے۔

عربی میں کوئی ایسا حرف نہیں جسکی آواز نہ ہو اور نہ ہی کوئی ایسا حرف ہے جو کسی دوسرے حرف کی آواز دیتا ہو۔ رہا علم تجوید کی رو سے "من ماءٍ" کی جگہ "مِمّاءٍ" پڑھنا یا حروف شمسی سے پہلے کلمہ تعریف کے "ل" کا آواز نہ دینا وغیرہ یہ قواعد کے مطابق ہے۔ لیکن انگریزی زبان میں CUT

میں A کی جگہ u کا آنا یا u کی جگہ A کا پڑھنا کسی قاعدے کی رو سے نہیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی حقیقت ہے کہ تلفظ میں روانی، سلاست اور حلاوت پیدا کرنے کے لئے دنیا بھر کی زبانوں میں اس قسم کی تبدیلیاں جان بوجھ کر پیدا کی جاتی ہیں۔ انگریزی میں DO NOT کی جگہ DONT فارسی میں "تورا" کی جگہ "ترا" "ہم این" کی جگہ "ہمیں" "دین و دانش کی جگہ" دینُ دانش" اور فرانسیسی میں "ووز۔ آوے" (VOUS . AVEZ) کی جگہ "وو۔ زا۔ وے" (VO. ZA. VE) وغیرہ اس روانی۔ سلاست اور حلاوت کی مثالیں ہیں۔ فرانسیسی کے ووز۔ آوے (VOUS. AVEZ) میں قرأت کی اس تبدیلی کے سوا ایک دوسری تبدیلی بھی پیدا ہوگئی ہے۔ اور وہ یہ کہ دوسرے کلمے کے پہلے حرف A کو جو حرف صحیح (CONSONANT) تھا پہلے کلمے کے آخری حرف S کے ساتھ ملا کر حرف علت (VOWEL) میں بدل دیا گیا ہے۔ باقی رہا۔ AVEZ کے آخری حرف Z کا آواز نہ دینا سو یہ فرانسیسی کا عام نقص ہے کہ اس زبان میں R اور L کے سوا کلمہ کے آخر کوئی دوسرا حرف ہو تو وہ عام طور پر بے آواز ہوتا ہے۔ اور یہ R اور L وہی دو حرف ہیں جن کے باعث انگریزی کا صوتی نظام فرانسیسیوں، چینیوں اور جاپانیوں کے لئے سر دردی کا باعث بن گیا ہے۔ اور جاپانی "لنڈن" (LONDON) کو "رنڈن" (RONDON) کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔

غرض قرآن کی قرأت کے بارے میں علم تجوید جن تبدیلیوں کی سفارش کرتا ہے وہ قواعد کے مطابق اور کلام میں حلاوت پیدا کرنے کی خاطر ہیں۔ ورنہ "مِنْ مَآءٍ" کے "ن" کو "م" سے نہ بدلا جائے تو اسے غلط نہیں کہا جائے گا۔ لیکن انگریزی کے کٹ (CUT) میں A کو u سے نہ بدلا جائے یا u کی آواز A کی آواز میں نہ بدلی جائے۔ تو اسے فحش غلطی تصور کیا جائیگا۔

اختصار| عالمی زبان کو مختصر ہونا چاہئے۔ عام طور پر اختصار کا مفہوم یہ لیا جاتا ہے، کہ زبان کا ذخیرہ الفاظ محدود ہو۔ جیسا کہ بوڈمر (BODMER) نے سفارش کی ہے، لیکن ہمارے ہاں ذخیرہ الفاظ کے محدود ہونے کے علاوہ زبان کے اختصار میں حسب ذیل امور شامل ہیں:

۱۔ غیر ضروری کلمات نہ ہوں، جیسے اردو میں "ہے"، "نے" "ہ" "کہ" وغیرہ کلمات ہیں ------۔

۲۔ ایسے کلمات نہ ہوں جن کا کام علامات سے لیا جا سکتا ہو۔ جیسے کا، کی، کے وغیرہ ------۔

۳۔ مفرد کلمات کی جگہ مرکب کلمات کا عام استعمال نہ ہو جیسے "معبد" کی جگہ "عبادت خانہ" ہے ------

۴۔ کلمات یک رکنی یا زیادہ سے زیادہ دُو رکنی ہوں اور بغیر معانی اور مفہوم کے اضافے کے کلمہ کے رکنوں (آوازوں) میں اضافہ نہ کیا جائے۔

عربی غیر ضروری کلمات سے پاک ہے اس کے برعکس اردو میں فاعل کی علامت "نے" مفعول کی علامت "کو" انگریزی میں کلمات تنکیر A اور AN وغیرہ ایسے زائد کلمات ہیں جن کے بغیر کام چل سکتا ہے۔ مثلاً فارسی میں علامت فاعل کوئی نہیں اور پڑھنے یا سننے والے کو اسکی ضرورت محسوس نہیں ہوتی، اردو میں بے جان مفعول کے ساتھ کسی قسم کی علامت نہیں ہوتی اور نہ ہی اسکی ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔ اور "اسلم سیب کھا رہا تھا" قسم کے اردو جملوں میں فاعل اور مفعول دونوں کی علامتوں کو حذف کر دیا گیا ہے۔ اس کے باوجود کلام میں خرابی واقعہ نہیں ہوئی۔ "اسپرانتو" میں فاعل کی علامت کا وجود نہیں، البتہ مفعول کے آخر "ن" (N) لگاتے ہیں "ASLAM LEGAS LIBRON" (اسلم کتاب پڑھتا ہے) اس میں LIBRO (کتاب) کے آخر "N" بطور علامت مفعول استعمال ہوا ہے۔

دوسری قسم کے زائد کلمات سے مراد وہ کلمات ہیں جن کی ضرورت علامات یا کلمات کی ترتیب سے پوری کی جا سکتی ہو جیسے کلمات اضافت و ربط وغیرہ۔ اردو میں کا، کے، کی، انگریزی میں OF یا S کلمات اضافت کی مثالیں ہیں، فارسی میں ان کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی اور ایک زیر (ـِـ) سے مرکب اضافی بنا لیا گیا ہے۔ باقی رہا کلمات ربط کا ہونا سو یہ بیشتر زبانوں میں ہیں۔ "ہے"، "ہیں"، ہوں۔ فارسی میں "است"۔ "اند" وغیرہ انگریزی میں AM، IS وغیرہ۔ اسپرانتو میں ESTAS چینی میں "یو" (YO) اور "شی" جاپانی میں "آری ماسو" (ARIMASO) اور "اِی ماسو" (IMASO) وغیرہ سب کلمات ربط ہیں۔ اور پھر ان کے استعمال کے بیسیوں قواعد ہیں جن سے نو آموز بلیشمار الجھنوں کا شکار ہو جاتا ہے۔

سلاو زبانوں میں کلمات ربط نہیں ہوتے، ان میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ زبان روسی ہے۔ اس کے دو جملے ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ ووت دوم ---- یہاں گھر (ہے)

۲۔ دوم تام ----- گھر وہاں (ہے)

ان دونوں جملوں میں "ہے" کیلئے کوئی علامت یا کلمہ نہیں۔ یہ قاری کی ذہانت پر منحصر ہے۔ کہ وہ انہیں مرکب اشاری تصوّر کرے یا جملہ اور جملہ بھی خبریہ سمجھے یا استفہامیہ۔ اس لئے کہ روسی میں عربی کے "ھَل یا "اَ" کا کوئی متبادل نہیں انگریزی اور جرمنی میں بھی "ھَل" کیلئے کوئی کلمہ نہیں، ان میں کلمہ ربط کو مسندالیہ سے پہلے لاکر جملہ سوالیہ بنالیا جاتا ہے۔ لیکن روسی میں یہ صورت بھی نہیں ہوسکتی۔

زوائد کی تیسری صورت میں وہ مرکبات ہیں۔ جنکی جگہ مفردات استعمال کئے جاسکتے ہیں۔ اسکی بدترین مثال انگریزوں اور امریکیوں کا تازہ ترین شاہکار بیسک انگلش (BASIC ENGLISH) ہے۔ یہاں دو دو تین تین مفرد کلمے جوڑ کر ایک مفہوم پیدا کیا جاتا ہے۔ عربی میں ایسے مفرد کلمات کی خاصی تعداد ہے جن کے تراجم کیلئے دوسری زبانوں میں مرکبات استعمال کئے جاتے ہیں۔ معبد، مدفن، مذبح، مقتل، طیّارہ، اقدام، مستشرق، استخبار وغیرہ بیشمار مثالیں ہیں۔

عربی کے مادے کم وبیش نوّے فیصد یک رکنی (سہ حرفی) ہیں جنہیں لب و دہن کی ایک ہی جنبش سے ادا کیا جاسکتا ہے۔ گو چینی کلمات میں بھی یہ خوبی پائی جاتی ہے جیسے۔ مِن (دروازہ) یو (یہاں ہے) کو (مشق) رن یا جِن (آدمی) وَو (میں متکلم) شی (ہے، ہیں۔ ہوں) پو (قدم) جی (جاننا) جو (جانا) دَو (راستہ) کن (دیکھنا) خو (خوش) جا (چائے) نا (کیوں) وغیرہ بعض کلمات دورکنی بھی ہیں۔ جیسے لا اِی (آنا) اور "ہوئی" (واپس ہونا) وغیرہ۔ لیکن چینی میں کوئی کلمہ مادہ نہیں ہوتا جس سے نئے کلمات بن سکیں۔

باقی رہے عربی مشتقات سو ان میں حروف کی زیادتی کے ساتھ ساتھ معانی ومطالب میں بھی اضافہ ہوجاتا ہے۔ اس لئے انہیں ثقیل یا اختصار کے خلاف نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے کہ ان کے تراجم میں دوسری زبانوں کے مرکبات استعمال کئے جاتے ہیں جو بہر کیف اختصار کے خلاف ہیں۔

(۸) بوڈمر (BODMER) نے "اسپرانتو" پر تنقید کرتے ہوئے حروف کی علامت پر اعتراض کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ نشان یا علامت کفایت شعاری کے خلاف اور زود نویسی میں حارج ہے۔ آپ غور فرمائیں کہ صرف ایک نشان (^) جو "c" پر لکھ "چ" اور "s" پر لگا کر "شں" کی آوازیں پیدا کی جاتی ہیں زبان پر غیر ضروری بوجھ بن جاتا ہے۔ تو یہ درجنوں قسم کے زائد کلمات یہ علامات فاعل ومفعول یہ کلمات تعریف وتنکیر امدادی افعال اور کلمات ربط

کی بھرمار اور ایک ایک مفہوم کے لئے دو دو تین تین کلمات کے مرکبات کس قدر طوالت اور بوجھ کا باعث ہوں گے۔ عربی ان تمام زوائد اور غیر ضروری کلمات سے پاک اور خالی ہے۔ اس میں مسند الیہ کا معرفہ ہونا کلمۂ ربط کی ضرورت کو پورا کر دیتا ہے۔ مضاف الیہ کا مجرور ہونا کلمۂ اضافت کے تکلف سے نجات دلا دیتا ہے۔ مفعول کا منصوب ہونا "کو" اور "را" جیسے علامتی کلمات کی کمی محسوس نہیں ہونے دیتا۔ "ال" کا نہ ہونا علامت تنکیر (جس کیلئے چینی میں گیارہ کلمے ہیں۔) کی نشاندہی کر دیتا ہے۔ فارسی میں بیشمار کلمات کے ساتھ کدہ، خانہ، یا جائے کے کلمات لگاتے ہیں۔ انگریزی میں HOUSE اور PLACE وغیرہ کلمات کا کس کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن عربی ایک اسم ظرف کا وزن ان تمام مرکبات کی جگہ لے لیتا ہے۔

یہ تھا ان خوبیوں یا خواص کا بیان جن کا عالمی زبان میں پایا جانا ضروری ہے۔ اور یہ خوبیاں عربی میں بدرجہ اتم موجود ہیں جبکہ دنیا کی مشہور ترین زبانیں حتیٰ کہ مصنوعی زبانیں جن کی اختراع کا مقصد ہی ان خواص کا حصول تھا عربی سے پیچھے ہیں۔

بوڈمر کی تجاویز: "دی لوم آف لینگویج" کے مصنف بوڈمر (BODMER) نے اپنی اسی کتاب کے دسویں باب میں نام نہاد عالمی اور گیارہویں باب میں مصنوعی زبانوں پر تنقید کے بعد عالمی زبان کے بارے میں حسب ذیل خوبیوں کو ضروری قرار دیا ہے:

۱۔ کلمات مفرد ہوں۔

۲۔ ذخیرۂ الفاظ لاطینی الاصل ہو۔

۳۔ ذخیرۂ الفاظ ایک ہزار کلمات سے زائد نہ ہو۔

۴۔ ہجے (SPELLING) درست ہوں۔

۵۔ حروف ابجد سادہ ہوں۔

۶۔ قواعد (GRAMMER) مختصر اور جامع ہوں۔

"بوڈمر" کے نزدیک کلمات کے مفرد ہونے کا وہ مفہوم نہیں جو اختصار کے عنوان پر بحث کے دوران بیان کیا گیا ہے جسکی مثال "معبد" اور "عبادت خانے" کی ہے۔ بوڈمر جس مفرد کی حمایت کرتا ہے اس کا مفہوم یہ ہے، دو کلمات کو ملا کر ایک مفرد نہ بنایا جائے بلکہ دونوں کلمات کو الگ الگ مفرد حیثیت سے استعمال کیا جائے مثال کے طور پر اردو کا کلمہ "امر" ہے۔ یہ دراصل دو کلموں "آن" اور "مر" سے مل کر بنا ہے۔ اس لئے "امر" (جاودان) "بوڈمر"

کے خیال کے مطابق مفرد نہیں رہا۔ اسکی تجویز یہ ہے کہ "اُن" اور "مر" دونوں کو الگ الگ رکھا جائے تاکہ دونوں الگ الگ مفرد رہیں۔

'بوڈمر' کی یہ تجویز عربی کے علاوہ دوسری زبانوں کے پیشِ نظر درست ہے، اس لئے کہ اس نوعیت کے مفرد کلمات جو دراصل مرکب ہیں، اجنبی معلوم ہوتے ہیں اور نو آموز کیلئے مشکلات کا باعث بن جاتے ہیں لیکن عربی میں اس قسم کا کوئی خطرہ نہیں اس لئے عربی کو عالمی زبان کے طور پہ پیش کرتے ہوئے ہم اس تجویز کی تائید نہیں کرسکتے۔ عربی میں قواعد کے مطابق اس قسم کے کلمات بنائے جاتے ہیں اور یہ طریقہ اختصار میں بعد ثابت ہوتا ہے۔ 'عبادت خانہ' بوڈمر کی تجویز کے مطابق اچھا کلمہ ہے لیکن ہماری تجویز 'معبد' کو اپناتے کی ہے اس لئے کہ ع۔ ب۔ د مادے کے پیشِ نظر 'معبد' اجنبی نہیں بلکہ اسی سے اسم ظرف کے قاعدے کے مطابق بنایا گیا:

دوسری تجویز کہ ذخیرہ الفاظ کا ماخذ لاطینی زبان ہو۔ ظاہر ہے کہ ہم اس کی تائید نہیں کرسکتے ہاں اگر صرف برّاعظم یورپ کیلئے اور وہ بھی "سلاؤ" زبانیں بولنے والوں کو خارج کرکے باقی اقوام کیلئے ایک مشترک زبان بنانا مقصود ہو تو یہ تجویز مفید ہوسکتی ہے لیکن عالمی زبان کے لئے یہ تجویز نہ صرف بے سود بلکہ حد درجہ مہلک اور خطرناک ہے۔

تیسری تجویز کہ ذخیرۂ الفاظ ایک ہزار تک محدود ہو کسی حد تک درست ہے لیکن عربی میں چونکہ قواعد کے مطابق نئے الفاظ بنائے جاسکتے ہیں اس لئے عربی ذخیرۂ الفاظ تین چار ہزار تک بڑھایا جاسکتا ہے۔ البتہ مادوں کی تعداد کا محدود ہونا ضروری ہے۔

باقی تینوں تجویزیں معقول اور قابلِ قبول ہیں۔ اور عربی میں ان کی کیا حیثیت ہے؟ یہ بات ہماری معروضات سے واضح ہو جاتی ہے۔

چہ باید کرد؟ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ عربی کو عالمی زبان کا درجہ دینے کیلئے کام کا آغاز کہاں سے کیا جائے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ کام حکومتوں اور خاص کر اسلامی ملکوں کی حکومتوں کے کرنے کا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ ہم جو بااختیار لوگ نہیں ہیں۔ ہاتھ پہ ہاتھ دھرے منتظرِ فردا بنے بیٹھے رہیں اور کچھ نہ کریں۔

قرآنِ کریم میں کم و بیش ڈیڑھ ہزار مادے ہیں۔ ان میں سے ایک ہزار کے قریب مادے منتخب کرکے انہیں عالمی زبان کے ذخیرہ الفاظ کے طور مخصوص کر دیا جائے۔ پھر آسان اور جامع قواعد کی مدد سے ان مادوں سے نئے الفاظ بنائے جائیں۔ اور انہیں سادہ نحوی قوانین کی رو سے

مرکبات اور جملوں میں استعمال کے قابل بنایا جائے۔

قرآن کے مادوں کی اہمیت کسی سے پوشیدہ نہیں، دنیا بھر کے مسلمان ان کے تلفظ اور کسی حد تک مفہوم سے واقف ہیں۔ اس طرح اگر قرآنی مادوں پر مشتمل عربی کو عالمی زبان بنانے کا طریقہ اختیار کیا گیا تو پہلے روز ہی اسّی، نوّے بلکہ ایک عرب انسان اسکی تائید کریں گے اور دنیا کے ہر خطے میں اسکی درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ اور صرف پانچ سال کے مختصر سے عرصہ میں کوئی مسلمان کسی اسلامی ملک میں اجنبیت محسوس نہیں کرے گا۔ ہر جگہ اور ہر ملک میں عربی جاننے والے موجود ہوں گے اور جو مسلمان جہاں جائے گا عربی کی مدد سے اپنا مدعا بیان کر سکے گا۔ اور جو کتاب جہاں شائع ہو گی دنیا بھر کے مسلمان اسے پڑھ سکیں گے۔

میری ناقص رائے یہ ہے کہ عربی مدارس کے اساتذہ کرام آپس میں مشورہ کر کے پہلے قرآن کریم کے مادوں کا جائزہ لیں۔ روزمرّہ کی عام بول چال میں کام آنے والے مادوں کو الگ کریں اور ان سے مشتقات بنانے کے قواعد مرتب فرمائیں۔ اس کے بعد پہلے عربی مدارس میں اس آسان اور بنیادی بول چال کی عربی کو رائج کریں۔ تاکہ فارسی وغیرہ کی ابتدائی کتابوں کی تدریس سے پہلے طلبہ کو عربی میں بول چال کی مشق کرائی جائے، اور اس کے بعد اعلیٰ درجوں میں اظہار خیال کا واحد ذریعہ یہی اساسی عربی ہو۔ یقین ہے کہ عربی مدارس میں عربی کے رواج کے بعد سرکاری مدارس اور جامعات بھی علماء کرام کی تقلید میں سعادت محسوس کریں گے۔

یہ خیال کرنا کہ ابتدائی جماعتوں کے طلبہ کا عربی میں گفتگو کرنا مشکل ہے۔ میرے نزدیک غلط اور احساس کمتری کا آئینہ دار ہے۔ اگر ہمارے بچے انگلش میڈیم سکولوں میں پہلی جماعت ہی سے انگریزی بولنا شروع کر سکتے ہیں، تو عربی مدارس کے مبتدی جو نسبتاً زیادہ محنت کے عادی ہوتے ہیں اور رات دن مدرسے کے ماحول میں رہتے ہیں آسان عربی کیوں نہیں سیکھ سکتے۔

دنیا بھر کے بالغ چھ ہفتوں میں "اسپرانتو" اور تین ماہ میں بنیادی انگریزی (BASIC ENGLISH) سیکھ کر انہیں اظہار خیال کا ذریعہ بنا سکتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ عربی مدارس کے طلبہ آسان عربی کو افہام و تفہیم کا وسیلہ نہ بنا سکیں — اس ابتدائی جد و جہد کے ساتھ ساتھ ہمیں اس غلط رجحان کو روکنے کی بھی کوشش کرنی چاہیئے۔ جو ترکی، فارسی، اردو، ملائی اور انڈونیشیائی زبانوں سے عربی الاصل کلمات کے اخراج کا باعث بن رہا ہے۔ مسلمان ملکوں میں نیا نام نہاد ادب عربی کلمات کے خلاف جس سازش کا نتیجہ ہے۔ اس پر مستقل مقالے کی ضرورت ہے۔ ■■

مولانا محمد شہاب الدین ندوی۔ انڈیا

طاغوت

اور

ازمہائے جدید

ماڈرنسزمس

ارشاد باری ہے : وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ ما ارید منھم من رزق وما ارید ان یطعمون ان اللّٰہ ھو الرزاق ذوالقوۃ المتین ۔ اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ میں ان سے (کسی بھی قسم کے) رزق کا مطالبہ نہیں کرتا اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں پلائیں (بلکہ) صرف اللہ ہی (ہر ایک کا) روزی رساں ہے جو نہایت قوت والا ہے۔ (ذاریات : ۵۶-۵۸)

ولقد بعثنا فی کل امۃ رسولاً ان اعبدوا اللّٰہ واجتنبوا الطاغوت فمنھم من ھدی اللّٰہ ومنھم من حقت علیہ الضللۃ فسیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبۃ المکذبین : اور ہم نے ہر اُمت میں ایک رسول بھیجا ہے (اس حکم کیساتھ) کہ تم سب اللہ ہی کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچتے رہو۔ پس ان میں سے بعض کو اللہ نے ہدایت دی اور بعض پر گمراہی ثابت ہوئی۔ ذرا زمین کی سیاحت کر کے تو دیکھ لو کہ حق کی تکذیب کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا ۔؟ (نحل : ۳۶)

قرآنی حقائق آیات بالا سے حسب ذیل حقائق ثابت ہوتے ہیں :۔

۱۔ جنوں اور انسانوں کی تخلیق کا اولین مقصد عبادت ہے ۔

۲۔ اللہ تعالیٰ جنوں اور انسانوں سے صرف اُس کی عبادت کا مطالبہ کرتا ہے کسی قسم کے رزق کا طالب نہیں۔ جیسا کہ مشرکین کے دیوی دیوتا طلبگار ہیں (مشرکین اپنے دیوتاؤں پر مختلف قسم کے چڑھاوے چڑھاتے ہیں جن پر کافی روپیہ صرف ہوتا ہے۔)

۳۔ اللہ بالکل بے نیاز ہے، نہ تو وہ کچھ کھاتا پیتا ہے اور نہ ہی اُس کو کسی قسم کی حاجت ہے ۔

۴۔ سب کا رازق اور پالنہار صرف اللہ ہے۔
۵۔ حقیقی ان داتا اور پروردگار صرف وہی ہو سکتا ہے جو خود ہر چیز سے مستغنی ہو۔ ورنہ خودغرضی رفع نہیں ہو سکتی کیونکہ حاجتمندی خودغرضی کو جنم دیتی ہے خواہ وہ کسی بھی درجے میں کیوں نہ ہو۔ بالفاظ دیگر حاجتمندی اور پروردگار کبھی یکجا نہیں ہو سکتیں۔
۶۔ اللہ کی عبادت کرنا دراصل اس کی رزق رسانی کا شکریہ ادا کرنا ہے نہ کہ اس پر کسی قسم کا احسان دھرنا۔
۷۔ دنیا کی تمام قوموں اور ملتوں میں اللہ کے رسول آئے ہیں۔
۸۔ تمام رسولوں کی دعوت اور اس کا لب لباب یہی تھا کہ سب لوگ محض اللہ ہی کی عبادت کریں اور طاغوت یعنی غیر اللہ کی عبادت سے بچیں۔ (اللہ کی عبادت صحیح معنوں میں یہ ہے کہ اس کی نعمتوں کے شکریہ اور احسان شناسی کے طور پر جملہ معاملات زندگی میں اس کے حکموں کو بجالایا جائے)
۹۔ تمام انبیائے کرام اسی مقصد وحید کی تکمیل کی خاطر بھیجے گئے تھے۔ اس لحاظ سے تمام پیغمبروں کا دین ایک ہی تھا۔
۱۰۔ اللہ کی عبادت اور طاغوت کی اطاعت یا غیر اللہ کی فرمانبرداری دو الگ الگ چیزیں ہیں اور ان دونوں میں کھلا ہوا تضاد ہے۔
۱۱۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ کوئی شخص بیک وقت اللہ کا بھی بندہ رہے اور طاغوت کا بھی۔
۱۲۔ طاغوت ہر زمانے میں پایا گیا ہے خواہ اس کا مصداق کچھ ہی کیوں نہ رہا ہو۔
۱۳۔ تمام رسولوں نے اپنے اپنے دور میں طاغوت کے خلاف علم جہاد بلند کیا ہے۔
۱۴۔ جس نے اللہ کی اطاعت کی وہ راہ یاب ہوا۔ اور جس نے طاغوت کی پیروی کی وہ گمراہ اور زیاں کار بنا۔
۱۵۔ بندگانِ طاغوت کا انجام ہمیشہ برا اور عبرتناک ہوا ہے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔ جیساکہ آیاتِ بالا کے آخری فقرے سے ظاہر ہو رہا ہے جس میں صحیفۂ تاریخ اور اقوام عالم کے آثار باقیہ کا مطالعہ و مشاہدہ کر کے عبرت و بصیرت حاصل کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔

طاغوت کیا ہے | طاغوت کا مادہ "طغی" اور "طغیان" ہے۔ جس کے معنی سرکشی کرنے اور

حد سے بڑھ جانے کے ہیں - اس لحاظ سے طاغوت اس کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں حد سے تجاوز کر گیا ہو۔ یہ تو لغوی مفہوم ہوا اب رہا اس کا مصداق تو اس سلسلے میں مفسرین سے پانچ اقوال منقول ہیں :

۱۔ بعض کے نزدیک اس سے مراد شیطان ہے ۔

۲۔ بعض کے نزدیک "کاہن" مراد ہے

۳۔ کسی کے نزدیک جادوگر ہے۔

۴۔ بُت مراد ہیں ۔

۵۔ سرکش جن و انسان کو طاغوت کہا گیا ہے ۔ (ماخوذ از تفسیر کبیر)

"مگر حقیقت یہ ہے کہ اس سلسلے میں جتنے بھی اقوال بیان کئے گئے ہیں وہ تعین کے لئے نہیں بلکہ تمثیل کے طور پر ہیں ۔ "طاغوت" اپنے عموم کے اعتبار سے ہر معصیت میں حد سے گزر جانے والے نیز ہر اس معبود کے لئے استعمال ہوتا ہے جس کی حق تعالیٰ کے سوائے پرستش کی جائے ۔ اور اسی اعتبار سے ساحر، کاہن، سرکش جن اور خیر کے راستے سے روکنے والے کو "طاغوت" سے موسوم کیا جاتا ہے ؛ (مفردات راغب ، بحوالہ لغات القرآن)

اسلام کا مطالبہ | آئمہ کرام کی مذکورہ بالا تشریح و تفسیر کی روشنی میں طاغوت کے وسیع مفہوم میں موجودہ دور کے تمام "ازم" اور گمراہ کن فلسفے بھی شامل ہو جاتے ہیں جن کا آج دور دورہ ہے مثلاً کمیونزم ، سوشلزم ، نیشنلزم ، کیپٹلزم ، ڈاروِنزم ، ٹیڈی ازم اور ہپی ازم وغیرہ وغیرہ ۔ یہ بھانت بھانت کے تمام ازم اور فلسفے خدا اور اس کے قانون سے کھلی ہوئی بغاوت اور گمراہی ہیں ۔ لہذا طاغوت کا اطلاق ان پر نہ ہو گا تو پھر کس پر ہو سکے گا ۔؟ ان مہلک ازموں اور گمراہ فلسفوں سے نبرد آزمائی وقت کا سب سے بڑا جہاد ہے جو ایک پیغمبرانہ فعل ہے ۔ ہر پیغمبر نے اپنے دور میں اپنے وقت کی گمراہیوں کے خلاف جہاد کیا ہے ۔ آج یہ فریضہ دینِ متین کے تمام پیروؤں پر عائد ہوتا ہے کہ وہ حسب استطاعت ان گمراہیوں کے خلاف کمربستہ ہو جائیں ۔ اللہ کو اطاعت اور طاغوت سے اجتناب دینِ حق کا خلاصہ اور اس کا جوہر ہے ۔ دنیا و آخرت میں کامیاب و کامران صرف وہی لوگ ہو سکیں گے جو طاغوت کا جُوا اپنے کندھوں سے اتار پھینکیں اور اطاعتِ الٰہی کا قلادہ اپنے گلے میں ڈال لیں ۔ یہ صحیفۂ تاریخ کا ایک روشن باب ہے جیساکہ انبیائے کرام کی معجز نما کامیابیاں اور منکرین و معاندین کی عبرتناک شکست شاہد عدل ہے ۔

❖ ❖

عالمِ اسلام کے موجودہ مسائل　　　　　جناب اختر راھی ایم۔اے

(قسط دوم)

صلیب و ہلال کی رزمگاہ

قبرص میں کیا ہو رہا ہے۔؟

جن دنوں برطانوی تسلّط کے خلاف عوام کی جدوجہد شروع تھی۔ قبرصی عیسائیوں میں اینوسس (ENOSIS) کی تحریک شروع ہو گئی۔ اینوسس کا لغوی مطلب "الحاق" ہے۔ جارج ہل کے بیان کے مطابق "اینوسس درحقیقت بازنطینی سلطنت کے احیاء کی تحریک ہے۔ قبرصی خواہ اس کا یونان سے کوئی خونی یا نسلی رشتہ نہ ہو لیکن اگر وہ کیتھولک مسیحی ہے تو وہ اپنے آپ کو یونانی ہی تصوّر کرتا ہے۔" اس تحریک کا مطالبہ تھا کہ قبرص کا یونان سے الحاق ہونا چاہیئے تاکہ عظیم بازنطینی سلطنت زندہ ہو سکے۔

اینوسس کے حامیوں کے دلائل میں سب سے بڑی دلیل یونان اور قبرص کا دیومالائی رشتہ ہے۔ کیونکہ یونان کی قدیم دیومالا میں قبرص کا ذکر موجود ہے۔ لیکن اہلِ تحقیق اس رشتے کو درست خیال نہیں کرتے۔ جارج ہل نے لکھا ہے کہ اینوسس کے حامیوں نے قبرص کو یونان سے منسلک کرنے کے لئے الیڈ (ILIAD) کی قدیم کہانیوں میں ردوبدل کیا ہے۔ تاکہ اس کی بیتقی ثقافت سے وابستگی کو ختم کیا جا سکے۔

یہ تحریک بعد میں تشدد پسندی میں تبدیل ہو گئی اور ایک دہشت پسند تنظیم ایوکا (EOKA) قائم ہو گئی۔ اس تحریک میں کیتھولک عیسائی شامل ہیں اور دہشت پسندانہ سرگرمیاں جاری ہیں۔ اس کی سرگرمیوں کا باقاعدہ آغاز ۱۹۵۰ء سے ہو گیا تھا۔ یونان نے جنرل گریفاس کے ذریعے اس کی تائید کی اور کئی مذہبی تنظیموں نے اس دہشت پسندی کو مذہبی حمایت مہیا کی۔

۲۰؍ اکتوبر ۱۹۵۰ء کو میکاریوس کو آرتھوڈکس کلیسا کا اسقف بنایا گیا تو اس نے مندرجہ ذیل حلف اٹھایا:

"میں مقدس حلف اٹھاتا ہوں کہ میں قومی آزادی کے لئے زندگی وقف کر دوں گا

اور پوری زندگی استقامت سے کوشش کروں گا کہ قبرص کا الحاق یونان سے ہو جائے ۔"

میکاریوس جو یہ حلف اٹھا کر قبرصی عیسائیوں کا نمائندہ بن گیا تو اس نے قبرصی مسلمانوں کیلئے زندگی تنگ کر دی۔ وہ ایک غریب گڈریئے کا بیٹا ہے۔ بچپن ہی سے خود سر اور سرکش تھا۔ جب اسے نکوسیا کی ایک خانقاہ میں داخل کیا گیا تو وہاں کے پادری نے اسے ڈاڑھی بڑھا لینے کو کہا۔ میکاریوس نے صاف انکار کر دیا۔ پادری نے سزا دی تاہم وہ مار کھاتا رہا۔ اور ہر ضرب پر "نہیں نہیں" کہتا رہا۔ پادری جب ناکام ہو گیا تو اس نے میکاریوس کو خانقاہ چھوڑ دینے کا حکم دیدیا۔ میکاریوس چپکے سے باہر نکلنے لگا۔ لیکن پادری نے اس کی ہٹ دھرمی کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور واپس بلا لیا۔ اس امر سے میکاریوس کی انانیت مطمئن ہو گئی اور پادری کے سامنے سر جھکا دیا اور ڈاڑھی چھوڑ دی۔

خانقاہ میں مذہبی تعلیم پانے کے بعد وہ ایتھنز یونیورسٹی میں داخل ہوا۔ ملک پر نازی قبضے یعنی ۱۹۴۶ء تک وہیں رہا۔ بعد ازاں بوسٹن یونیورسٹی سے دینیات میں ایم اے کی ڈگری لی اس سارے عرصے میں عملی سیاست سے دور محنتی طالب علم کے طور پر زندگی گزارتا رہا۔ ۳۵ سال کی عمر میں بشپ اور پھر دو سال کے بعد لارڈ بشپ مقرر ہوا۔ پھر قبرص کا ایتھنارک یعنی سربراہ کلیسا، پولیٹیکل ایجنٹ اور ٹیکس کلکٹر بن گیا۔ میکاریوس کی صورت میں برطانیہ کو ایک اچھا مددگار مل گیا تھا۔ لیکن جلد ہی برطانیہ کی امیدوں پر پانی پھر گیا جب اس نے "ایوکا" کی سرگرمیوں کی اخلاقی امداد شروع کر دی۔

۱۹۵۵ء میں برطانوی حکومت سے قبرص میں ہنگامی حالات کا اعلان کر دیا گیا۔ مارچ ۱۹۵۶ء میں میکاریوس کو گرفتار کر لیا گیا اور جزائر سیشلز میں جلاوطن کر دیا گیا۔ میکاریوس کی گرفتاری پر "ایوکا" کی دہشت گردی عروج پر پہنچ گئی۔ جزیرے میں برطانیہ کے تیس ہزار فوجی مقیم تھے۔ "ایوکا" نے ان سپاہیوں کا ناک میں دم کر دیا۔ برطانوی سپاہیوں اور ان کے اہل خانہ کو موت کے گھاٹ اتارنے لگے۔ برطانیہ نواز قبرصیوں کی فہرست تیار کرتے اور انہیں ٹھکانے لگا دیتے۔ یہ دہشت گردی اور سول نافرمانی اس وقت تک جاری رہی جب تک میکاریوس کو جلاوطنی سے واپس نہ بلا لیا۔

"ایوکا" نے قبرصی مسلمانوں کے لیے عجیب صورت حال پیدا کر دی۔ مسلمانوں کو ایک طرف برطانیہ دبا رہا تھا اور دوسری طرف انہیں یونانی قبرصیوں کا نشانہ مشق بننا پڑا۔ ۱۹۵۵ء — ۱۹۵۸ء

میں مسلم ترک اقلیت پر شدید مظالم ڈھائے گئے۔ اور مسلمان لیڈر ڈاکٹر فاضل کوچک نے اس کے خلاف آواز اٹھائی۔

چنانچہ ۱۹۵۹ء میں لندن میں تین طاقتیں مصالحت کے لئے جمع ہوئیں۔ برطانیہ (حکمران طاقت) یونان (عیسائی قبرصیوں کے حقوق کی حفاظت کی ذمہ دار سلطنت) اور ترکی (مسلمان قبرصی اقلیت کے حقوق کے تحفظ کی ذمہ دار سلطنت)۔ لندن اور زیورچ میں ۲۳ ماہ کے مذاکرات کے بعد معاہدہ طے پایا۔ چنانچہ اگست ۱۹۶۰ء میں ۸۲ سال کے بعد جزیرہ برطانیہ سے آزاد ہوگیا۔ اور اقتدار جزیرے کے باشندوں کی طرف منتقل کر دیا گیا۔ لیکن انتقال اقتدار سے بیشتر جزیرے کی دو بڑی قوموں کے درمیان اس حد تک منافرت پھیل گئی تھی کہ ان کا باہم مل جل کر کاروبار حکومت چلانا ناممکن ہوگیا۔ مسلمان ترکوں کی طرف سے اس مسئلے کا حل "تقسیم قبرص" پیش کیا گیا۔ مگر برطانوی ڈپلومیسی کے سامنے مسلمانوں کا یہ مطالبہ صدا بصحرا ثابت ہوا۔ اور ان کا مستقبل تاریک سے تاریک تر بنا دیا گیا۔

سہ طاقتی مذاکرات کے بعد آزاد قبرص کے لئے آئین ترتیب دیا گیا جس کے مطابق:

۱۔ قبرص ایک آزاد اور خود مختار ملک ہے جس کا نظام حکومت صدارتی ہے۔

۲۔ عیسائیوں اور مسلمانوں کو اپنی اپنی زبان کا تحفظ حاصل ہے۔

۳۔ ملک کے انتظامی اختیارات صدر اور نائب صدر کو مشترکہ طور پر حاصل ہیں۔ صدر عیسائی آبادی اور نائب صدر مسلمان آبادی سے لیا جائے گا۔

۴۔ ملک کے ایوان نمائندگان میں عیسائیوں کے لئے ستر فیصد اور مسلمانوں کے لئے تیس فیصد نشستیں مقرر ہیں۔

۵۔ نائب صدر کو ہر معاملے اور ہر قانون کے خلاف حق تنسیخ حاصل ہے۔ اور کوئی ترمیم نائب صدر کی رضامندی کے بغیر نافذ نہیں ہو سکتی۔

اگست ۱۹۶۰ء میں قبرص آزاد ہوا۔ پہلا صدر میکاریوس بنا اور نائب صدر ڈاکٹر فاضل کوچک ہوئے۔ میکاریوس کو یہ آئین منظور نہیں تھا۔ کیونکہ اس میں قبرص کی دونوں قوموں کو مساوی حقوق دئے گئے تھے۔ چنانچہ میکاریوس نے ترک مسلمان نمائندوں کو مجبور کرنا شروع کر دیا کہ وہ دستور میں ترمیم منظور کر لیں۔ نائب صدر ڈاکٹر فاضل کوچک نے اسے قبول نہ کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ مسئلہ اکثریت و اقلیت کا نہیں۔ بلکہ دو قوموں ترک مسلمانوں اور یونانی عیسائیوں کا ہے۔ دونوں کو مساوی آئینی حقوق

ملنے چاہئیں۔

میکاریوس نے آئین میں بجبر ترمیم کی تحریک چلا رکھی ہے۔ اس سلسلے میں اس نے کئی اقدامات کئے ہیں۔ ۱۹۶۱ء میں اس نے جداگانہ بلدیاتی اداروں کو ختم کرنے کی تجویز پیش کی تاکہ مسلمان اقلیت کے جداگانہ تشخص کو ختم کر کے اکثریت میں مدغم کر لیا جائے۔ ڈاکٹر فاضل نے میکاریوس کے اس خلاف آئین اقدام کو مسترد کر دیا۔ اور جب معاملہ عدالت تک پہنچا تو عدالت نے بھی میکاریوس کے دعویٰ کو رد کر دیا۔

اگست ۱۹۶۳ء میں اس نے دوبارہ سازش کا آغاز کیا۔ اس نے آئین کو از سرِ نو مدوّن کرنے کا اعلان کیا تاکہ صدر اور نائب صدر کا حقِ تنسیخ ختم کر دیا جائے اور بلدیاتی اداروں کا فرق مٹا دیا جائے۔ انتظامیہ میں مسلمانوں کی نمائندگی تیس ۳۰ فیصد سے گھٹا کر اٹھارہ ۱۸ فیصد کر دی جائے، ڈاکٹر فاضل کو چک نے تنبیہہ کی کہ تبدیلیٔ آئین کی صورت میں مسلمان عدم تعاون کی تحریک شروع کر دیں گے۔ میکاریوس کی ہٹ دھرمی نے جب دستور تبدیل کرنا شروع کر دیا تو مسلمانوں نے احتجاج کیا۔ اور یونانی غنڈوں نے مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلنا شروع کر دی۔ ۲۱ دسمبر ۱۹۶۳ء کو وسیع پیمانے پر "ایوکا" کے غنڈوں اور متعصب عیسائیوں نے مسلمانوں کا قتلِ عام کیا۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمان اس تشدد اور قتل و غارت سے تنگ آکر نیا آئین قبول کر لیں گے یا بصورتِ دیگر صفحۂ ہستی سے مٹ جائیں گے۔

قبرص کے دار الحکومت نکوسیا میں پانچ دن تک غیر ملکی نامہ نگاروں کو داخل نہ ہونے دیا گیا۔ ۲۶ دسمبر کو جب نامہ نگار ترک بستیوں میں داخل ہوئے تو انہوں نے وہ خونیں اور وحشت انگیز مناظر دیکھے جو متعصب عیسائیوں نے اپنے ہم وطنوں کو کرسمس کے تحفے کے طور پر پیش کئے تھے۔ اس بربریت اور سفاکی پر انسانی ضمیر تلملا اٹھا اور پوری دنیا نے رنج و غم کا اظہار کیا۔

معاہدہ لندن ۱۹۵۹ء کی رو سے ترکی پر قبرصی مسلمانوں کی حفاظت کی ذمہ داری عائد ہوتی تھی ترکی نے میکاریوس کو تنبیہہ کی لیکن میکاریوس یونان کی پشت پناہی کے بل پر اپنے ناپاک ارادوں سے باز نہ آیا۔ آخر ترکی کی فضائیہ نے ۲۵ دسمبر ۱۹۶۳ء کو نکوسیا پر پرواز کی اور مظلوم مسلمانوں کو بربریت اور سفاکی سے نجات ملی۔

۲۷ دسمبر ۱۹۶۳ء کو اقوام متحدہ نے مداخلت کی کیونکہ قبرص کے میکاریوس کی طرف سے

شکایت کی گئی تھی کہ ترکی نے ان کے داخلی معاملات میں مداخلت کی ہے۔ سلامتی کونسل کا اجلاس طلب کر کے غور و فکر کیا گیا۔ سیکورٹی کونسل کے سامنے ترکی نے واضح کیا کہ کس طرح مسلمانوں کی نسل کشی کی مہم جاری ہے۔ اور ان کے حقوق کس طرح غصب کئے جا رہے ہیں۔ ایک ہفتہ میں ۹۹ مسلمان شہید، ۴۷۰ زخمی اور ۱۵۴ لاپتہ ہوئے۔ مجموعی طور پر ترک مسلمانوں کا جو نقصان ہوا اس کی تفصیل اقوام متحدہ کے جنرل سیکرٹری کی رپورٹ کی رو سے یہ ہے:

ترکوں کے ۵۲۷ گھر بالکل مسمار کر دئے گئے۔ دو ہزار مکانوں کو شدید نقصان پہنچا۔ یہ تباہی جزیرے کی ایک سو نو بستیوں میں ہوئی۔ چار ہزار ترک مسلمانوں کو سرکاری ملازمت سے سبکدوش کر دیا گیا۔ ۲۵ ہزار ترکوں کو بستیوں سے نکال دیا گیا ہے اور ۵۶ ہزار افراد انجمن ہلال احمر کے محتاج ہو گئے ہیں۔ ان میں ۲۵ ہزار وہ ہیں جنہیں گھروں سے محروم کر دیا گیا ہے، ساڑھے ۲۳ ہزار وہ ہیں جو بے روزگار ہو گئے ہیں اور ساڑھے سات ہزار وہ ہیں جن کے رشتہ دار اس جنگ میں لاپتہ ہو گئے ہیں، ترک آبادی کی جس انداز سے ناکہ بندی کی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قبرص کی یونان پسند حکومت اس مسئلے کو اقتصادی دباؤ کے ذریعے حل کرنا چاہتی ہے۔"

میکاریوس کے زیر سرکردگی "ایوکا" کے غنڈوں کی یہی دہشتناک کاروائیاں ہیں جنہیں دیکھ کر ایک برطانوی نمائندے نے کہا تھا کہ "ان قبرصی یونانیوں سے بڑھ کر خونخوار ذہنیت والے لوگوں سے مجھے آج تک کبھی واسطہ نہیں پڑا۔

حالات کی نزاکت کے پیش نظر ۱۵ر فروری ۱۹۶۴ء کو لندن میں برطانیہ، ترکی، یونان اور قبرص کی دونوں جماعتوں کے راہنماؤں کی ملاقات ہوئی تاکہ پیش آمدہ صورت حال پر غور کیا جائے اور موزوں حل تلاش کیا جائے۔ لیکن یونانیوں کے انتہا پسند طرز عمل کے پیش نظر تعطل پیدا ہو گیا اور قبرص میں دوبارہ آگ اور خون کی ہولی کھیلی جانے لگی، گولیاں چلنے لگیں اور مسلمان کی لاشیں تڑپنے لگیں۔

۱۸ر فروری ۱۹۶۴ء کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کا دوسرا اجلاس ہوا جس میں قبرص میں امن فوج بھیجنے کی تجویز پاس ہوئی۔ چنانچہ تین ماہ کیلئے امن فوج بھیج دی گئی۔ امن فوج کے پہنچنے سے پہلے ہی ترک اور یونانی آبادیاں علیحدہ ہو گئی تھیں اور نکوسیا میں دونوں جماعتوں کی آبادیوں کے درمیان

"گرین لائن" کی حد بندی کر دی گئی۔

۲۷ مارچ کو اقوام متحدہ کی امن فوج نے جزیرے میں کام شروع کر دیا۔ تین ماہ کی مدت کے خاتمے پر امن فوج کے قیام میں اضافہ کر دیا گیا لیکن چھ ہزار سپاہیوں کی یہ فوج محض "امن" کی حفاظت کرتی رہی۔ مسلمان ترکوں کی حفاظت جان و مال میں ناکام ہو گئی۔ تب بھی دہشت پسندوں نے "فاماگستا" کی بندرگاہ کو اسلحہ کی بیرونی ملک سے فراہمی کا اڈہ بنا لیا میکاریوس نے روس کی دیرینہ ترک دشمنی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسلحہ حاصل کیا اور سلامتی کونسل میں روس کی تائید حاصل کرنے میں کامیاب رہا۔

اگست ۱۹۶۴ء کے آغاز میں پھر فرقہ وارانہ فسادات شروع ہو گئے۔ ترکی نے مداخلت کی۔ ۹ اگست کو اقوام متحدہ کی مداخلت پر فوری طور پر جنگ بندی کا اعلان کر دیا گیا۔ ۱۰ اگست کو قبرص اور ترکی نے بھی جنگ بندی قبول کر لی۔ لیکن جنگ بندی کے باوجود آج تک فسادات جاری ہیں اور مسلمانوں کو امن و چین سے زندگی گزارنے کا موقع نہیں مل رہا۔ اور مسئلہ قبرص عالمی ضمیر کو پکار رہا ہے۔

یونانی عیسائیوں اور ترک مسلمانوں کے اس اقتصادی و سیاسی اختلاف کی تہ میں مذہبی اختلاف کام کر رہا ہے۔ میکاریوس اسلحہ خریدنے کیلئے جو اپیلیں کرتا ہے وہ مذہبی بنیادوں پر ہوتی ہیں اور چندہ دینے والے مسلم کشی کے مقصد کی خاطر ہی چندہ دیتے ہیں۔ ایک طرف وہ قبرص کا صدر ہے اور ایک ایسی ریاست جس کی ۶ لاکھ آبادی ہے ۱۸ فیصد آبادی مسلمان اور ۴ فیصد دوسری غیر مسیحی اقوام ہیں دوسری طرف وہ آرتھوڈکس کلیسیا کا لارڈ بشپ ہے لیکن اس کی سرکاری کار پر "صدر قبرص" کی پلیٹ کی بجائے "قبرص کے لارڈ بشپ" کے الفاظ رقم ہوتے ہیں۔

اس سلسلے میں مسیحی ممالک کے پریس بھی اسی جذبہ صلیب سے سرشار ہیں امریکہ کے عوام کا انداز فکر "لائف" کی تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے۔ جن قبرصی مسلمانوں نے اپنے دفاع کی خاطر جان عزیز کی قربانیاں دیں ان کے بارے میں "لائف" نے لکھا۔

" لاشیں پڑی ہیں، ان پر کوئی کفن نہیں ہے۔ اور نہ ان کے مذہبی مراسم ادا کئے گئے ہیں کیونکہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ جو مسلمان جہاد میں شہید ہو جاتے ہیں وہ براہ راست جنت میں داخل ہو جاتے ہیں اور ان کیلئے کلمۂ دعا کہنے کی کوئی ضرورت نہیں "۔

دوسری طرف مسلمان آبادی بھی پوری مذہبی قوت اور جذبہ سے اپنی ثقافت کی حفاظت کر رہی ہے۔ اور آج قبرص واقعتاً صلیب و ہلال کی رزمگاہ ہے۔

جناب نور محمد غفاری۔ ایم اے
بہاولنگر

آہ! مولانا محمد علی جالندھری مرحوم

أسعدي تعالى مالبينك آخر   ورفقاً لعانٍ هل خيالك زائر

اے حبیب! آپئے کیا تیرے فراق کی انتہا بھی ہے؟ گرفتار محبت سے نرمی کر کبھی آپ کی خیالی صورت کی زیارت ہو سکے گی۔؟

لیکن اے یتیم امت! مجھے سخت تعجب ہے کہ جب تک تیرا باپ زندہ رہتا ہے اس کا احترام نہیں کرتی۔ حتیٰ کہ بعض اوقات تو تو اس کی آن اور جان کے درپے نظر آتی ہے۔ میری نظروں سے وہ واقعات اوجھل نہیں جب تو نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا پھر تو اشکبار نظر آئی اور انہیں ذی النورین کہنے لگی۔ تو نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا پھر ماتم کرتی دیکھی گئی۔ تو نے سیدنا حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو زہر دیا۔ پھر تیری آنکھیں پرنم تھیں۔ تو نے میر صادق کے روپ میں ٹیپو سلطانؒ کو مروا ڈالا پھر آہ و بکا کے نالے بلند کرنے لگی۔ تو نے سیدنا حسین احمد مدنیؒ کی داڑھی پر شراب پھینکی آج عقیدت سے انہیں شیخ العرب والعجم کہتی ہے۔ تو نے مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو قید و بند میں رکھا، آج انہیں امیر شریعت کہہ رہی ہے۔ شاید اسی لئے اغیار نے تجھے "مردہ پرست قوم" کہا ہے۔ بُرا نہ منانا مجھے تو تیری صرف یہی عادت پسند آئی ہے۔ کیونکہ بزرگوں کے یاد کرنے سے تیری مردہ عروق میں خونِ زندگی دوڑتا نظر آتا ہے۔ گویا تو صبح کی بھولی ہوئی شام واپس آ رہی ہوتی ہے۔

آج جب میں نے دیکھا کہ تیرے مسکن کا اندھیرا گہرا ہو گیا ہے تو میں نے اندازہ کیا کہ شاید" ایک چراغ اور بجھا اور بڑھی تاریکی" تیرے ماضی کے رویے نے مجھے مزید مایوس کر دیا لیکن تیری "مردہ پرستی" کی عادت، جسے میں "مردہ سے عقیدت" کا نام دوں گا۔ نے

میری مایوس دنیا میں ایک امید کی کرن پیدا کی جس سے ضو پاکر میں تیرے ایک ایسے محسن کے حالات زندگی لکھنے لگا جس کی شکل شاید تیری آنکھیں دوبارہ نہ دیکھ سکیں ؎

الایا حمام الایک توجع لبین من　　فقدنا ولا نلقاہ ما ذر زاھر

لیکن اے باغ کی کبوتری! تو نوحہ کر اس شخص کے فراق میں جسے ہم نے کھو دیا۔ اور جب تک آسمان پر ستارے چمکتے ہوں گے۔ اس سے ملاقات ناممکن ہے۔

اس محسن کو بخوبی جانتی ہے۔ گرچہ قدر شناس نہیں وہی تو ہے جس کی خاطر میں نے تجھے ۲۲/ اپریل ۱۹۷۱ء کو ملتان شہر کی گلیوں میں دھاڑیں مار کر روتے دیکھا حالانکہ میں نے اس سے قبل یہ بھی دیکھا تھا کہ جب وہ تمہیں دنیا و آخرت کی فوز و فلاح کے طریقے بتانے کے لئے بلاتا تھا تو تمہاری تعداد کوڑیوں سے تجاوز نہیں کرتی تھی۔ ——— وہ محسن حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

پیدائش اور خاندان | حضرت مولانا نے تقریباً ۱۸۹۵ء میں متحدہ ہندوستان کے ضلع جالندھر کی تحصیل نکودر کے قصبہ رائے پور آرائیاں میں ولادت پائی۔ یہ قصبہ مولانا کا آبائی گاؤں تھا۔ حضرت مولانا کے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ زمیندار تھے اور کھیتی باڑی پیشہ تھا۔

ابتدائی تعلیم | آپ نے ابتدائی تعلیم ایک قصبہ رائے پور گجراں، جو آپ کے آبائی گاؤں کے قریب واقع ہے، کے مدرسہ "جامعہ رشیدیہ" میں پائی۔ اسی دوران انہیں شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید جناب مولانا مفتی فقیر اللہ سے بھی استفادہ کا موقع ملا۔ مگر ابتدائی تعلیم میں انہوں نے زیادہ تر کسب فیض حضرت مولانا خیر محمد جالندھری سے کیا۔

دار العلوم دیوبند روانگی | حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی علمی تشنگی بجھانے کے لئے دار العلوم دیوبند کا رخ کیا جہاں انہیں منجملہ دیگر فضلہ روزگار کے حضرت مولانا نے اسے غنیمت بارِدہ سمجھ کر خوب علمی جواہر لوٹے اور آپ کا شمار خاص شاگردوں میں ہوا۔ ۲۰ سال کی عمر میں دورہ حدیث کی تکمیل کی اور واپس جالندھر مراجعت فرمائی۔

درس و تدریس | دار العلوم سے فراغت پانے کے بعد آپ نے مسند تدریس کو زینت بخشی۔ ہندوستان کی ریاست کپورتھلا کے ایک مشہور قصبہ سلطان پور لودھی میں آپ نے درس و تدریس کا شغل جاری کیا۔ یہاں آپ نے تین سال تک کام کیا۔ پھر حضرت مولانا خیر محمد جالندھری کے ساتھ مل کر "مدرسہ خیر المدارس" کی جالندھر میں نیو ڈالی اور یہاں بحیثیت مدرس کام کرنے لگے۔ اسی

عرصہ میں بدعات کے بڑھتے ہوئے سیل کو روکنے کیلئے آپ سیل بن کر آئے۔ روافض اور اہل بدعت کے ساتھ آپ نے مناظرے کئے اور اس طرح حق کا بول بالا کرتے رہے۔

مولانا کی سیاسی زندگی کا آغاز زندگی کے ایام درس وتدریس اور دعوت وتبلیغ میں سکون سے گذر رہے تھے کہ یکایک "تحریک شہید گنج" شروع ہوئی۔ یہ تحریک انگریز کے بڑھتے ہوئے جبر واستبداد کو روکنے اور آزادی ہند کے لئے شروع ہوئی تھی۔ حضرت مولاناؒ جو نہ صرف تحریک پسند تھے بلکہ تحریکیں ان سے جنم لیا کرتی تھیں، فوراً اس تحریک میں شامل ہو گئے اور حضرت مولانا عطاء اللہ بخاریؒ کے ایما پر آپ نے "مجلس احرار اسلام" میں شرکت اختیار فرمائی اور تحفظِ دین، آزادیٔ وطن اور انگریز دشمنی میں تن من اور دھن کی بازی لگا دی۔

إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ	بیشک میری نماز میری عبادتیں اور میری
وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا	زندگی اور میری موت دونوں جہان کے
شَرِيْكَ لَهٗ۔	پروردگار کے لئے، جس کا کوئی شریک نہیں۔

قید وبند کی صعوبتیں ۱۹۳۹ء میں دوسری جنگ عظیم کے شعلے بھڑک اٹھے۔ مکار انگریز نے اپنی ہوسِ ملک گیری کی بھینٹ یہ ہندوستانیوں کو چڑھانا چاہا۔ فوجی بھرتی شروع ہوئی اور ہزاروں معمولی تعلیم یافتہ لوگوں کو شامل کر لیا گیا۔ "مجلس احرار اسلام" نے مسلمانانِ ہند کے تعاون سے فوجی بھرتی کے خلاف ایک ملک گیر تحریک چلائی اور انگریزی فوج میں بھرتی حرام قرار دی۔ کیونکہ اس جنگ عظیم میں انگریز کی للچاتی ہوئی نگاہیں بغداد اور مکہ پر پڑ رہی تھیں اور خلافتِ ترکیہ کے خلاف اس کے عزائم ناپاک تھے۔ آپؒ نے اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور انگریزی حکومت نے آپ کو قید کر دیا۔ آپ نے تین سال جالندھر، گجرات اور امرتسر کی جیلوں میں کاٹے۔ زمانہ اسیری میں ہی آپ کے والد ماجد اور دو بھائیوں کا انتقال ہو گیا۔ مگر آپ کے پائے ثبات میں لغزش آئی نہ انگریز سے معافی چاہی ؎

غم نہیں ہوتا آزادوں کو بیش از یک نفس
برق سے کرتے ہیں روشن شمع ماتم خانہ ہم

جیل کی رہائی سے ملتان میں آمد تک ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۲ء تک تین سال کی قید وبند کی صعوبتیں برداشت کرنے کے بعد آپ کو جیل سے رہائی ہوئی۔ ۱۹۴۲ء تک آپ غیر منقسم ہندوستان کے ضلع جالندھر میں رہے اور اپنی سیاسی سرگرمیاں جاری رکھیں ۱۹۴۳ء میں وہ

اپنے خاندان کے ہمراہ ہجرت کر کے موجودہ پاکستان چلے آئے۔ ان کا خاندان تو تحصیل صادق آباد میں رہائش پذیر ہوا مگر آپ نے اپنی سیاسی سرگرمیوں اور دعوت و تبلیغ کا مرکز ملتان بنایا اور حسین آگاہی مسجد سراجاں والی میں خطیب مقرر ہوئے۔ آپ جمعہ کی پابندی اتنی سختی سے فرماتے تھے۔ کہ بعض اوقات دہلی اور دیگر دور دراز کے شہروں کے پروگرام چھوڑ کر ملتان تشریف لاتے تھے۔ ملتان قیام کے بعد آپ نے مولانا خیر محمدؒ جالندھری کے ساتھ مل کر مدرسہ خیر المدارس کی عمارت کے لئے کوشش شروع کی اور کامیاب ہوئے۔ آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے یہاں تجوید القرآن کا آغاز کیا۔ اور مدرسہ خیر المدارس کے شیخ القراء جن کا مجھے اس وقت اسم مبارک یاد نہیں، آپ ہی کی کوششوں سے ہندوستان سے یہاں تشریف لائے۔

مجلس تحفظ ختم نبوت کا قیام | قیام پاکستان کے بعد "احرار اسلام" کی سیاسی سرگرمیاں سرد پڑ گئیں کیونکہ اب انگریز دشمنی تو تھی نہیں، لہٰذا حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور آپ نے مل کر مجلس تحفظ ختم نبوت کے نام سے ایک جماعت کی تشکیل کی۔ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اس مجلس کے پہلے صدر تھے۔ اور آپ ناظم اعلیٰ مقرر ہوئے، ۱۹۶۱ء میں حضرت امیر شریعت کی وفات کے بعد مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی صدر منتخب ہوئے اور آپ ناظم اعلیٰ رہے۔

تحریک ختم نبوت | ۱۹۵۳ء میں خواجہ ناظم الدین کے عہد میں قادیانی فرقہ ضالہ کے خلاف ملک گیر تحریک چلائی گئی جسے وہ تحریک ختم نبوت ہی کا نام دیا گیا۔ تقریباً تمام اکابر امت بلا تمیز عقیدہ و مسلک جیلوں میں ٹھونس دئے گئے۔ حضرت مولانا چونکہ مجلس تحفظ ختم نبوت سے متعلق تھے، لہٰذا آپ نے اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، جسکی پاداش میں آپ کو جیل بھیج دیا گیا ـ

مقتل کو کس نشاط سے جاتا ہوں میں کہ ہے   پُر گل خیال زخم سے دامن نگاہ کا

مجلس تحفظ ختم نبوت کی صدارت | ۱۹۶۷ء میں قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ کے انتقال کے بعد آپ امیر مجلس منتخب ہوئے۔ دوران امارت آپ نے مجلس کی گراں قدر خدمات انجام دیں۔ دفتر مرکزیہ ملتان کی سہ منزلی عمارت بنوائی۔ اندرون ملک ہر شہر میں مجلس تحفظ ختم نبوت کی شاخیں قائم کیں۔ مشرقی پاکستان میں آپ ہی کی سعی و کوشش سے مجلس کا کام شروع ہوا۔ لٹریچر چھپایا اور ملک کے کونے کونے تک پہنچایا۔ اور آج کوئی ایسا ذی شعور شخص نہیں جو قادیانی فرقہ اور مرزا غلام احمد کی جھوٹی نبوت سے واقف نہ ہو۔

بیرونی ممالک میں آپ کے ایماء پر حضرت مولانا لال حسین اختر انگلینڈ، جزائر فجی وغیرہ کا

تبلیغی دورہ کر آئے ہیں عرب ممالک کے تمام شیوخ کو بذریعہ لٹریچر اور خط و کتابت قادیانی فرقہ باطلہ کے اعتقادات وعزائم اور مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کے پروگراموں اور کوشش سے آگاہ فرمایا۔ جولائی ۱۹۷۰ء میں انہوں نے افریقہ میں ختم نبوت کے مشن کا باقاعدہ آغاز کرنا چاہا۔ اور افریقی ممالک میں سے نائیجیریا کا انتخاب کیا۔ اس نا اہل کو اس کام کے لئے چنا اپنی کم علمی کے باوجود میں بھی تیار ہو گیا۔ لیکن جن صاحب کے توسط سے مجھے وہاں جانا تھا، وہ اللہ کو پیارے ہو گئے اور نائیجیریا جانے کا پروگرام ملتوی کر دیا گیا۔

سلسلۂ بیعت | آپ حضرت رائے پوریؒ کے مُرید تھے۔ آپ ان سے گہری عقیدت رکھتے تھے۔ آپ کے پاس حضرت رائے پوری کا جُبہ مبارک تھا جو آپ نے اپنے کفن کے لئے رکھا ہوا تھا۔ ایک دن جب میں آپ کے کپڑے دھونے لگا تو اٹیچی کیس سے وہ کُرتہ بھی نکال لیا، لیکن جب حضرت مولاناؒ کی نظر پڑی تو غصہ اور عقیدت بھری آواز میں فرمایا "اللہ کے بندے یہ تو میرے حضرت کا کرتہ ہے، اسے دھونے کی ضرورت نہیں" بعد میں جب میں نے غور سے دیکھا تو لکھا تھا "میرے کفن کے لئے"۔

وفات | آپکی وفات عارضہ قلب کی بنا پر واقع ہوئی۔ ۵، ۶ / اپریل ۱۹۷۱ء کی درمیانی شب کو جب آپ سلاں وال ضلع سرگودھا میں تقریر کر رہے تھے، دل کی تکلیف محسوس ہوئی۔ تقریر ختم کر دی اور آرام کے لئے لیٹ گئے، رات کے گیارہ بجے دل کا دورہ پڑا یہ پہلا دورہ تھا، بعد میں انہیں ملتان لایا گیا اور علاج شروع ہوا اور طبیعت سنبھل گئی۔ آٹھ اپریل کو انہیں دل کا دوسرا دورہ پڑا۔ لیکن دوسرے ہی روز طبیعت بحال ہو گئی۔ اور ڈاکٹر کے مشورہ پر آپ مکمل آرام کرنے لگے۔ ۲۱/ اپریل ۱۹۷۱ء کو انہیں دل کا تیسرا دورہ پڑا جو جان لیوا ثابت ہوا۔ آپ نے دفتر میں موجودہ تمام حضرات کو بُلا کر آخری وصیت فرمانا چاہی، لیکن بڑی مشکل سے "اللہ" فرمایا پھر شدتِ درد نے زبان مبارک بند کر دی، انہوں نے پوری توانائی سے کام لیتے ہوئے کارکنانِ مجلس تحفظ ختم نبوت کو آخری پیغام دینا چاہا، لیکن "ختم نبوت" کا لفظ کہنے پائے تھے کہ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

یَا اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ	اے اطمینان والی روح پھر جا اپنے پروردگار
ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ۔	کی طرف خوش خوش، تو پسند کی گئی ہے۔
فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ۔	پس تو میرے بندوں میں داخل ہو جا، میں تجھے اپنی جنت میں داخل کر دوں گا۔

انتخاب از جناب محمد اقبال قریشی ہارون آبادی

قسط ـــ ۳

امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے علوم و معارف

بروایت حکیم الامت مولانا تھانویؒ

۴۴۔ فرمایا ایک شخص نے حضرت مولانا گنگوہیؒ سے عرض کیا کہ ایک صاحب ہیں انبہٹے میں وہ کہتے ہیں کہ حضرت حاجی صاحبؒ نے مجھ کو سماع کی اجازت دی ہے، حضرت نے جواب میں فرمایا کہ اگر ایسا ہوا بھی ہو تو حجت نہیں۔ حضرت حاجی صاحبؒ جس فن کے امام ہیں اس میں ہم ان کے غلام ہیں باقی یہ مسائل فقیہہ ہیں، اس میں فقہا کا اتباع کیا جائے گا۔ دیکھیئے حضرت مولاناؒ ہمیشہ حضرت حاجی صاحبؒ کے خطوط میں اپنے نام کیساتھ یہ ہی لکھتے تھے "کمترین" "غلام" "کمینہ" "خدام" مگر اس موقعہ پر صاف صاف حقیقت ظاہر کر دی بلکہ یہ بھی فرمایا کہ ان مسائل میں حضرتؒ کو ہم سے فتوٰی لے کر عمل کرنا چاہیئے نہ کہ ہم آپ کے قول پر عمل کریں۔ حضرت گنگوہیؒ میں انتظامی شان بڑی زبردست تھی جس کو بعض بدفہموں نے نخوت سے تعبیر کیا، نخوت نہ تھی۔ (الاضافات الیومیہ ص ۲۱۶، ۲۲۶ ج ۲)

۴۵۔ فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ فرمایا کرتے تھے کہ برسوں کے مجاہدہ اور ریاضت کے بعد اگر یہ سمجھ میں آجاوے کہ مجھ کو کچھ حاصل نہیں ہوا تو اسکو سب کچھ حاصل ہو گیا۔ لیکن آجکل تو بھول کر بھی یہ خیال نہیں ہوتا، دعوٰی ہی دعوٰی ہے۔ ذرا ذرا سے بچے شیخ الحدیث، شیخ التفسیر، شیخ الادب، کہلائے جانے پر نازاں ہیں۔ مگر ابھی تک کوئی شیخ الشرارت نہیں ہوا۔ (الاضافات الیومیہ ص ۲۳۸ ج ۲)

۴۶۔ فرمایا ایک مرتبہ حضرت گنگوہیؒ کے پاس ایک شخص نے آکر غالباً یہ کہا کہ حضرتؒ میرا نکاح نہیں ہوتا۔ آپ نے تعویذ لکھ کر دے دیا اس میں یہ لکھا کہ اے اللہ میں کچھ جانتا نہیں اور یہ مانتا نہیں اور یہ تیرا غلام تو جانے اور تیرا کام، بس نکاح ہو گیا۔ (الاضافات الیومیہ ص ۲۹۴ ج ۲)

۴۷۔ فرمایا حضرت حاجی صاحبؒ نے مولانا گنگوہیؒ کو اجازت دی تھی یوں بھی فرما دیا تھا کہ اگر کوئی بیعت ہونا چاہے تو انکار مت کرنا۔ مولاناؒ نے عرض کیا کہ میں بیعت کے قابل نہیں۔ حضرتؒ

نے فرمایا کہ تم کیا جانو ہم جو کہتے ہیں وہی کرنا۔ جب مولانا گنگوہ پہنچے، گنگوہ میں ایک بی بی تھی، اس نے حضرت گنگوہیؒ سے بیعت کی درخواست کی حضرت نے بیعت فرمانے سے انکار کر دیا۔ اتفاق سے حضرت حاجی صاحبؒ بھی گنگوہ تشریف لے گئے، اس بی بی نے حضرت سے بیعت نہ کرنے کی شکایت کی۔ حضرتؒ نے مولانا سے فرمایا انکو بیعت کیوں نہیں کر لیتے۔ مولاناؒ نے عرض کیا اب تو حضرتؒ خود تشریف رکھتے ہیں، حضرت ہی بیعت فرمالیں۔ فرمایا یہ کیا ضروری ہے ایک شخص کو تم سے عقیدت ہے مجھ سے نہیں، تم ہی کرو۔ غرضیکہ حضرتؒ نے ان بی بی کو اپنے سامنے مولاناؒ سے بیعت کرایا۔ یہاں ایک مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ مدار اس طریق میں مناسبت پر ہے سو اگر پیر سے مناسبت ہو اور پیر کے پیر سے مناسبت نہ ہو تو پیر ہی کی طرف توجہ کرے اس کے پیر کی طرف نہ کرے۔ گو ادب اور تعظیم اسکی بھی ضروری ہے۔ حضرت گنگوہی فرمایا کرتے تھے کہ اگر مجلس میں حضرت جنیدؒ اور حضرت حاجی صاحبؒ دونوں ہوں تو ہم جنیدؒ کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں وہ حضرت حاجی صاحبؒ کے پیر ہوں گے۔ ہمارا تعلق تو حضرت حاجی صاحبؒ سے ہے، افسوس پھر بھی ان حضرات کو وہابی اور خشک کہتے ہیں۔ بڑا ظلم کرتے ہیں ——

(الاضافات الیومیہ ص ۳۰۶/ج ۲ الانتعاظ بالغیر ص ۱۶)

۴۸۔ فرمایا۔ مولوی سالار بخش صاحب گو صحیح الادراک نہ تھے۔ مگر ذہین بڑے تھے۔ ان کی باتیں عجیب و غریب ہوتی تھیں۔ باہر جب نکلتے تھے تو منہ پر نقاب ہوتا تھا۔ کہ کہیں کافر کو ان کا چہرہ نظر نہ آجائے۔ ایک شخص تھا قمر الدین نام کا، اس سے کچھ خفا ہو گئے تھے۔ ایک روز وعظ میں بیان کیا کہ اسکو بعض لوگ کہتے ہیں، کمرد یعنی بھونڈا منہ، بعض کہتے ہیں خمرد یعنی ٹیڑھا۔ بعض کہتے ہیں قمرو یہ اصل میں قمُ رو ہے۔ یعنی اٹھ چلا جا۔

ایک مرتبہ کسی نے کہا کہ مولوی صاحب سالار بخش کیا نام ہے جسکے معنے ہیں سالار کا بخشا ہوا۔ یہ تو شرک ہے۔ کہتے ہیں یہ تو اللہ کا نام ہے یہ اصل میں ہے سال آر یعنی سال کا لانے والا، وہ کون ہوا بجز اللہ تعالیٰ کے۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ کو ان کی طرف سے خیال تھا کہ یہ میرے تبلائے ہوئے مسائل پر ناحق کے اعتراضات کریں گے۔ بس یہ تدبیر کی کہ ایک مرتبہ مولوی سالار بخش صاحب گنگوہ آئے ہوئے تھے، حضرت مولاناؒ سے ایک شخص نے مسئلہ پوچھا، حضرت نے فرمایا کہ آجکل مولوی سالار بخش صاحب آئے ہوئے ہیں، وہ ہم سب کے بڑے ہیں ہم ان کے ہوتے ہوئے مسئلہ کیا بتائیں،

انہیں سے جاکر دریافت کرو۔ یہ شخص وہاں پہنچا، اور جاکر مولوی صاحب سے مسئلہ دریافت کیا۔ اور حضرت کا یہ مقولہ بھی نقل کر دیا۔ مولوی صاحب اس کو سن کر بہت خوش ہوئے اور کہا کہ وہ بھی بڑے عالم ہیں، انہیں جاکر دریافت کرو، ہم نے یہ کام انہی کے سپرد کر دیا ہے، اب یہ سلسلہ ہو گیا کہ جو مولوی صاحب کے پاس مسئلہ پوچھنے آتا حضرت کا نام تبلا دیتے۔ یہ حضرت کی فراست تھی، کس لطیف تدبیر سے کام نکال لیا۔ سچ یہ ہے کہ اس زمانہ کے محانین بھی اچھے ہی تھے، آجکل کے تو مجازین بھی شاید ایسے نہ ہوں۔ ایسا کوئی کر کے تو دکھلا دے، اور ہمیشہ حضرتؒ کے ثنا خواں رہے۔ (الاضافات الیومیہ صـ۶/۲)

۴۹۔ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ اپنے رسالہ خوان خلیل جام ۱۲ کے واقعہ دوم میں تحریر فرماتے ہیں کہ "ایک بار خود حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوریؒ نے خود افادۃً فرمایا اور زیادہ یاد یہ پڑتا ہے کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ سے نقل فرمایا تھا کہ قرآن مجید میں جو او قاف لازمہ ہیں وہ ایسے ہی مواقع پر ہیں جہاں وصل کرنے سے ایہام خلاف کا مقصود ہوتا ہے۔ چنانچہ ظاہر ہے مگر اس آیت میں کفار کا قول منقول ہے: وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحَانَهٗ اور وَلَدًا پر وقف نہیں حالانکہ قاعدہ مذکور کا مقتضا یہاں پر لزوم وقف تھا، کیونکہ وقف نہ ہونے سے ایہام ہوتا ہے کہ سبحانہٗ بھی ان قائلین کا قول ہے، حالانکہ یہ ان کے قول اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا کا رد و ابطال ہے، سو اس میں نکتہ یہ ہے کہ تنزیہہ میں جہاں تک ہو کی جائے تاکہ تالی[1] یا سامع[2] کو مخالفین تنزیہہ کے قول کے بعد ذرا بھی انتظار نہ ہو کہ اس قول کے متعلق کیا فیصلہ فرمایا گیا ہے۔ انتہیٰ

(ماہنامہ النور صـ۱۳ ذوالحجہ ۱۳۴۶ھ)

۵۰۔ فرمایا۔ ایک رئیس حضرت مولانا گنگوہیؒ کے واسطے ایک نہایت قیمتی خوشنما بھڑکدار پوستین لائے تھے کہ حضرتؒ اسکو پہنا کریں۔ مولاناؒ نے ایک نواب صاحب کو دے دیا اور فرمایا کہ نواب صاحب! اسکو آپ پہن لیجئے۔ آپ کے کپڑوں پر یہ اچھی لگے گی، کیونکہ آپ کا اور لباس بھی اسکے موافق قیمتی ہوگا، اور میں لٹھے، گاڑھے دھوتر کے اوپر اسکو پہن کر کیا اچھا لگوں گا۔ پھر اسکی حفاظت کیڑے سے کون کرے گا۔ مجھے اتنی فرصت نہیں۔ فضول اسکو رکھ کر ضائع کر دوں۔ غرض اہل اللہ اپنے بدن کے واسطے یہ جھگڑے پسند نہیں کرتے۔ (الفاظ القرآن صـ۵۴)

۵۱۔ فرمایا اہل معرفت نے تو ناراضی کے شبہ پر خود کشی تک کر لی ہے۔ گو یہ غلطی تھی کیونکہ خود کشی میں تو ناراضی زیادہ ہے قبض میں تو احتمال ہی احتمال ہے کہ شاید وہ ناراض ہیں۔ خود کشی میں

---

[1] تلاوت کرنے والا [2] تلاوت سننے والا۔

ناراضی منتفی ہے مگر اس وقت اضطراب اور گھٹن ایسا ہوتا ہے کہ ان مقدمات کی طرف خیال ہی نہیں جاتا۔ اس لئے ممکن ہے کہ یہ خودکشی کرنے والے معذور ہوں۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ ان کی معرفت ناقص تھی کامل نہ تھی۔ اس لئے سارے پہلوؤں پر نظر نہ گئی۔ محقق کی نظر وسیع ہوتی ہے، وہ ہر پہلو پر نظر رکھتا ہے، اس لئے وہ سخت گھٹن میں ہوتا ہے کہ نہ جینے دیتے ہیں نہ مرنے دیتے ہیں وہ اس وقت یوں کہتا ہے ؎

اے حریفان راہ ہا را بست یار　　آہوے لنگیم و او شیر شکار
غیر تسلیم و رضا کو چارہ　　در کف شیر نر خونخوارہ

اس وقت عارف محقق تسلیم و رضا سے کام لیتا ہے اور اگر اس گھٹن اور بے چینی میں اسکی جان نکل جائے تو یہ شہید اکبر ہوگا۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے ایک ایسے ہی شخص کی نسبت فرمایا تھا کہ اگر اس حالت میں مرگیا تو شہید ہوگا۔ کیونکہ مقتول فی سبیل اللہ کو جو شہید اکبر کہتے ہیں اسکی وجہ بھی محبت ہی تو ہے کیونکہ اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے عاشق محب ہی جان دے سکتا ہے ــــ جب بنائے شہادت محبت پر ہے تو محب عاشق خواہ بستر ہی پر مرے وہ شہید ہوگا۔ (ارضاء الحق حصہ دوم صفحہ)

۵۱۔ فرمایا: مولانا محمد منیر صاحبؒ نانوتہ میں ایک بزرگ تھے، ایک دفعہ ان کے ہاتھ سے مدرسہ دیوبند کی ایک امانت ضائع ہوگئی۔ سفر میں کسی نے چرالی اور رقم زیادہ تھی، انہوں نے فوراً مدرسہ میں اطلاع کردی کہ وہ امانت میرے پاس سے چوری ہوگئی، لیکن میں ضمان ادا کروں گا۔ مدرسہ والوں نے چاہا کہ مولوی صاحب سے ضمان نہ لیں، کیونکہ ان کی دیانت پر پورا اعتماد تھا کہ انہوں نے قصداً حفاظت میں کوتاہی نہیں کی۔ اور ایسی حالت میں شرعاً امین پر ضمان نہیں۔ چنانچہ ان سے کہا گیا تو انہوں نے اسکو منظور نہ کیا اور کہا مجھے بدوں ضمان دئے چین نہ آئے گا۔ مدرسہ والوں نے حضرت مولانا گنگوہیؒ سے عرض کیا کہ حضرت مولوی منیر صاحبؒ نہیں مانتے، مدرسہ کا ضمان ادا کرنا چاہتے ہیں اگر آپ فتویٰ لکھ دیں تو شاید مان جائیں کیونکہ مولانا گنگوہیؒ کو ساری جماعت بڑا مانتی تھی اور مولانا کے فتویٰ پر ہر شخص کو پورا اعتماد تھا۔ حضرتؒ نے فتویٰ لکھ دیا کہ جب امین نے حفاظت میں کوتاہی نہ کی ہو تو اس پر شرعاً ضمان نہیں۔ مدرسہ والوں نے یہ فتویٰ مولوی منیر صاحبؒ کو لاکر دکھایا سو حالانکہ مولوی منیر صاحبؒ مولانا گنگوہیؒ کا بڑا ادب کرتے تھے مگر اس وقت یہ فتویٰ دیکھ کر ان کو بڑا جوش آیا اور ہم عمری کے سبب ناز کے لہجہ میں فرمایا بس میاں رشید احمدؒ نے ساری فقہ میرے ہی واسطے پڑھی تھی۔ ذرا وہ اپنے کلیجہ پر ہاتھ رکھ کر دیکھیں اگر ان کے ہاتھ سے مدرسہ کی امانت ضائع

ہو جاتی تو کیا وہ خود بھی اس فتویٰ پہ عمل کرتے یا بدوں ادا کئے چین نہ ملتا ہے جاؤ میں کسی کا فتویٰ نہیں دیکھنا چاہتا۔ حضرت انہوں نے نہیں مانا۔ اور زمین بیچ کر یا نہ معلوم کس طرح مدرسہ کی رقم ادا کی۔ (ارضاء الحق حصہ دوم ص۴۰)

حدیث شریف میں ہے اِسْتَفْتِ قَلْبَکَ وَلَوْ اَفْتَاکَ الْمُفْتُوْنَ۔ اپنے دل سے فتویٰ لو، اگرچہ مفتی فتویٰ بھی دے دیں۔ حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا حضرت جب دل کو لگتی ہے اس وقت جواز کے سارے فتوے رکھے رہ جاتے ہیں اور اس وقت تک چین نہیں ملتا۔ جب تک کھٹک کی بات کو دور نہ کیا جائے۔

۵۲۔ فرمایا حضرت مولانا گنگوہیؒ کی مجلس میں ایک دیہاتی شخص نے دوسرے سے آہستہ سے کہا کہ حضرتؒ نے جو فلاں مسجد کی درستی کا اہتمام فرمایا ہے۔ حضرت کو کشف ہوا تھا۔ مولاناؒ نے یہ بات سن لی۔ پکار کر فرمایا مجھ کو کشف وغیرہ کچھ نہیں ہوا جو کوئی میری نسبت ایسا خیال رکھے وہ غلط ہے۔ تو وہ صاحب چپکے سے دوسرے آدمی سے کیا کہتے ہیں کہ پڑے کہو، انہیں کہنے دو انہیں کشف ہوا تھا۔ اب بھلا اس کا بھی کچھ علاج ہے کہ شیخ کی تردید کے بعد بھی اسکی بات نہیں مانی جاتی اور اپنے اعتقاد پہ اصرار کیا جاتا ہے۔ (تحقیق الشکر ص۹)

۵۳۔ فرمایا گنوار کوئی پڑھے لکھے نہیں مگر پڑھے لکھوں سے زیادہ فہیم ہیں۔ دین سے فہم بھی درست ہو جاتا ہے اس درستی فہم پہ ایک واقعہ یاد آیا کہ ایک شخص گنوار حضرت مولانا گنگوہیؒ کی خدمت میں آیا اور کہا مولوی جی مجھے مرید کر لو حضرت نے فرمایا کہ اچھا بھائی آ مرید کرتے ہوئے جو باتیں کہلواتے ہیں، کہ نماز پڑھو روزہ رکھا کرو سب کچھ کہلوالیا۔ جب مولانا اپنی باتیں پوری فرما چکے تو آپ کہتے ہیں کہ مولوی جی تم نے افیم سے تو توبہ کرائی نہیں۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ بھائی مجھے کیا خبر کہ تو افیم بھی کھاتا ہے۔ حضرت چونکہ طبیب تھے جانتے تھے کہ چونکہ افیم کا چھوڑنا دفعتہً مشکل ہے اور طالب کی حالت کی رعایت ضروری ہے۔ اس لئے آپ نے فرمایا کہ کتنی کھایا کرتے ہو، میرے ہاتھ پہ رکھ دو۔ اس نے گولی بنا کر حضرت کے ہاتھ پہ رکھ دی حضرتؒ نے اس میں سے کچھ کم کر کے گولی اس کے ہاتھ میں دے دی اور فرمایا کہ اتنی کھا لیا کرو پھر مشورہ کر لینا۔ وہ شخص کچھ دیر خاموش بیٹھ کر کہنے لگا، اجی مولوی جی جب توبہ ہی کرلی پھر اتنی اور اتنی کیا، یہ کہہ کر افیون کی ڈبیہ نکال کر دیوار پہ ماری اور یہ کہا اری افیم جا میں نے تجھے چھوڑ دیا، بس یہ کہہ کر بھیجا کہ مولوی جی دعا کر دیجیو کہ میں اچھا ہو جاؤں مگر افیم نہ کھاؤں گا۔ غرض بری حالت تک نوبت

پہنچی، مرتے مرتے بچا مگر اچھا ہو گیا، تندرست ہو کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرتؒ نے پوچھا کون ہے؟ کہا میں ہوں افیم والا اور سارا قصہ بیان کیا۔ اس کے بعد دو روپے پیش کئے۔ مولاناؒ نے کسی قدر عذر کے بعد دلجوئی کیلئے قبول فرمائے تو آپ کہتے ہیں کہ اجی مولوی جی یہ تو تم نے پوچھا ہی نہیں یہ کیسے روپے ہیں۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ بھائی اب تبلا دے کیسے روپے ہیں۔ اس نے کہا یہ روپے افیم کے ہیں۔ حضرت نے پوچھا افیم کے کیسے۔ اس نے کہا کہ میں دو روپے کی افیم مہینہ میں کھاتا تھا۔ جب میں نے افیم سے توبہ کی نفس بڑا خوش ہوا کہ اب دو روپے ماہوار بچیں گے۔ میں نے کہا یہ تو دین میں دنیا مل گئی، بس میں نے نفس سے کہا کہ یہ یاد رکھو کہ یہ روپیہ تیرے پاس نہ چھوڑوں گا، یہ مت سمجھ کہ تجھے دوں گا، بلکہ اسی وقت نیت کر لی تھی کہ جتنے کی افیم کھایا کرتا تھا وہ پیر کو دیا کروں گا۔ پس یہ دو روپیہ ماہوار آپ کو آیا کریں گے۔ دیکھا آپ نے یہ گنوار کی حکایت ہے جس کو لکھنا پڑھنا کچھ نہ آتا تھا مگر دین کی سمجھ ایسی تھی کہ دین دنیا کی آمیزش کو فوراً سمجھ گیا۔ (خیر المال للرجال ص۲۴ الاستغفار ص۲۹ الاتعاظ بالغیر ص۱۳)

احقر نے شمس الاسلام حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی دامت برکاتہم سے سنا کہ حضرت حکیم الامتؒ کے یہاں میں نے دیکھا کہ ایک دیہاتی نے دوسرے دیہاتی سے کہا کہ مسلمان ایک ہوں دوسرے نے کہا ایک ہوں اور نیک ہوں۔ حضرت افغانی مدظلہ نے فرمایا کہ یہ تعلیم کسی یونیورسٹی سے فارغ ہونے کے بعد بھی نہیں ملتی یہ اہل اللہ کے قدموں میں رہنے کے بعد حاصل ہوتی ہے، کیونکہ دونوں اَن پڑھ تھے مگر کیسی سمجھ کی بات کہی۔

باقی اس دیہاتی کے انداز گفتگو سے حضرت گنگوہیؒ کو ناگوار نہیں ہوا کیونکہ اس میں اخلاص اور سادگی تھی تصنع نہ تھا۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ایک دیہاتی ان کا مرید تھا۔ ایک دفعہ جب حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو استفسار فرمایا کہ فلاں شاہ صاحب کے پاس تم جاتے ہو۔ ایک فاسد العقیدہ بدعتی ان کے گاؤں آیا کرتا تھا۔ اس نے کہا ہاں۔ اس پر حضرت حکیم الامتؒ نے اسے ڈانٹا۔ دوسری مرتبہ جب وہ حاضر ہوا تو پوچھا اب بھی کسی کے پاس جاتے ہو تو اس نے کہا "اب تو تیرا ہی پلڑا پکڑ لیا ہے"۔ حضرت حکیم الامتؒ فرماتے ہیں اس کے یہ کہنے سے مجھے آپ "حضرت" وغیرہ وغیرہ کہنے والوں سے زیادہ مسرت ہوئی اور میں نے بار بار اس سے یہی کہلوایا، سبب یہ ہے کہ اس میں تصنع نہ تھا۔

۵۴۔ فرمایا حضرت مولانا گنگوہیؒ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص میرے ایک مرید کو ہٹا دے

تو فی مرید ایک آنہ اور مولوی کے ہٹانے پر فی مولوی چار آنے لے لے۔ غرض یہ ہے کہ جو شخص نادان ہے اسکو شیخ سے بھی برائے نام محبت ہو گی۔ نادان کی دوستی رہ نہیں سکتی وہ معمولی بات کو بھی بزرگی کے خلاف سمجھے گا۔ اور غیر معتقد ہو جائے گا، اسکی نظر جہل کے سبب اکثر عیوب کی طرف ہی زیادہ ہو گی اور کمالات کو تو وہ جانتا ہی نہیں ان پہ تو اسکی نظر کیا ہوتی۔ سچی محبت اسی کو ہو گی جسکو شیخ کی معرفت ہو گی اور شیخ کی معرفت اس کے اتباع سے ہو گی —— (خیر المال للرجال ص ۱۳)

۵۵۔ فرمایا چھٹا طبقہ وہ ہے کہ انہوں نے عمل بھی وہی کئے جو اس کیلئے موضوع ہے لیکن فضائل وہ طلب کئے جن کا عطا ہونا عادت الٰہیہ کے خلاف ہے ایسی تمنا بھی شرع کے خلاف ہے۔ ایک شخص ہم کو ملے جو قطبیت کے طالب تھے حضرت مولانا گنگوہیؒ کے یہاں وہ گئے وہ بھی پسند نہ آئے، جب میں گنگوہ گیا، حضرتؒ نے فرمایا کہ بھائی وہ فلاں شخص آئے تھے قطبیت کے طالب تھے۔ یہاں قطبیت کہاں تھی، اس لئے چلے گئے۔ یاد رکھو قطبیت اور غوثیت مکتسب نہیں ہے۔ (اسباب الفضائل ص ۲۳)

یعنی قطب اور غوث اللہ تعالیٰ کی رحمت خاصہ سے بنتے ہیں۔ وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ ط وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۔ باقی بزرگان بیعت و مجاہدہ اصلاح نفس و اخلاق کیلئے کراتے ہیں۔ قطب و غوث بنانا ان کے اختیار میں نہیں ہے

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

سچ ہے ے

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اور جنکی قسمت ازل سے خراب ہے۔ بزرگوں اور کامل اولیاء کی سعی سے بھی ان کی اصلاح نہیں ہوتی ے

تہی دستاں قسمت راچہ سود از رہبر کامل خضر از آب حیواں تشنہ مے آرد سکندر را

ہاں شیخ وسیلہ ہوتا ہے۔ اسی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ انعامات کی بارش کرتے ہیں۔ اسی لئے شیخ سے بیعت ہونے کیلئے کہا جاتا ہے۔ حضرت حاجی صاحبؒ کا ارشاد ہے کہ اگر مرید زور آور ہو گا تو ہم کو جنت میں لے جائے گا۔ اور اگر ہم زور آور ہوں گے تو مرید کو جنت میں لے جائیں گے۔

۵۶۔ فرمایا یہاں بعض لوگ آتے ہیں اور یہ نہیں بتلاتے کہ کس غرض سے آئے ہیں۔ اور

بار بار پوچھنے پر بھی یہی کہتے رہتے ہیں کہ زیارت کیلئے آئے ہیں۔ مولانا گنگوہیؒ اس کا خوب جواب دیا کرتے تھے کہ میاں زیارت تو ہو چکی اب اصل بات کہو۔ اور میں یہ کہہ دیتا ہوں کہ دیکھو کئی بار کے پوچھنے پر بھی تم نے یہی جواب دیا تو بہت اچھا، اگر صرف زیارت کو آئے ہو تو اگر پھر کچھ کہو گے تو میں نہ سنوں گا۔ اب میں اپنے کام میں لگتا ہوں۔ اگر کچھ کہنا ہو تو اب بھی کہہ لو اس کے بعد وہ کہنا شروع کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف زیارت مطلوب نہ تھی اور اگر کوئی اس وقت بھی نہ بتلائے تو بعض اوقات میں پھر نہیں سنتا ہوں، کہنے سے روک دیتا ہوں۔ اس پر لوگ کہتے ہیں کہ بہت روکھے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ تم بہت سوکھے ہو۔ سالن بغل میں دبا رکھا ہے۔ تو تعجب ہوتے کہ روٹی کے ساتھ سالن سامنے رکھ دیتے پھر جب اس کے بعد اصلی بات کہتے ہیں تو اس میں بھی کنایات سے کام لیتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے مجھے خادم بنا لیجئے یا غلامی میں لے لیجئے، پہلے تو لفظ ارادہ بیعت کیلئے کافی تھا، مگر اب تجربہ ہوا کہ ناکافی ہے۔ (المورد الفرسخی فی المورد البرزخی ص۲۱)

ہمیں چاہیئے کہ بزرگوں کو دق نہ کریں۔ ان کے اوقات بہت مصروف ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کا وقت ضائع نہ کرنا چاہیئے اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا۔

۵۷۔ فرمایا: حضرت مولانا گنگوہیؒ کے پاس ایک شخص آیا اور مسئلہ پوچھا کہ آدھا چوہا کٹ کر کنوئیں میں گر پڑا۔ کتنے ڈول نکالے جائیں تو ایک معقولی صاحب جلدی سے بولے کہ تیرہ ڈول نکال دو۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ یہ تو احمق ہے۔ سارا پانی نکال دو، کنواں ناپاک ہو گیا۔ بعد میں معقولی صاحب نے حضرتؒ سے پوچھا کہ پورا چوہا گر پڑے اور مر جائے تو بیس سے تیس ڈول تک کا حکم ہے اور آدھی دم گرنے پر آپ نے سارا پانی نکالنا واجب کر دیا، اسکی کیا دلیل ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ تم نے تیرہ ڈول کس دلیل سے بتلائے، کہا میں نے بیس اور تیس کا اوسط پچیس نکالا۔ پھر جب پورا چوہا گرتا تو پچیس ڈول ہوتے۔ اب آدھا گرا ہے تو پچیس کا آدھا ساڑھے بارہ ہوتے تھے میں نے کسر کو پورا کر کے تیرہ ڈول بتلا دے اور پورا نکالنا واجب ہو تو اَلْکُلُّ اَعْظَمُ مِنَ الْجُزْءِ کے خلاف لازم آتا ہے اور اپنی حماقت سے یہ نہ سمجھا کہ کٹ کر گرا ہے تو کنوئیں میں دم مسفوح گرا اور دم مسفوح کا ایک قطرہ بھی کنوئیں کو ناپاک کرنے کیلئے کافی ہے۔ اگر معقولی صاحب کو اس کا ہوش ہوتا تو سمجھتے کہ واقعی میرا حساب غلط تھا۔ (الرحیل الی الخلیل ص۲۱)

دارالعلوم دیوبند نے عالمِ اسلام کو کیا دیا۔؟

فضلائے کرام کی کارکردگی

دارالعلوم دیوبند نے بحیثیت تعلیم گاہ ہونے کے ہر جہتی تعلیم دی اور ہمہ نوع فضلاء پیدا کئے جنہوں نے مختلف شعبہ ہائے زندگی میں کام کیا۔ ذیل میں فضلائے دارالعلوم کی کارکردگی کا مختصر تذکرہ بصورت اعداد و شمار پیش کیا جاتا ہے جس سے اندازہ ہوگا کہ ابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند نے کون کون سی خدمات انجام دیں۔ یہ اعداد و شمار کارکردگی کے لحاظ سے ہیں۔ یعنی اگر ایک ابن قدیم نے پانچ یا چھ کام کئے ہیں تو ہر کام میں اس ابن قدیم کا نام شمار کیا گیا ہے۔ یہ اعداد و شمار سن آغاز دارالعلوم ۱۲۸۳ھ سے ۱۳۸۲ھ تک کے ہیں۔ (یعنی گذشتہ سو سال کے)

۱۲۸۳ھ سے ۱۳۸۲ھ تک ۱۰۰ سال کے عرصہ میں دارالعلوم دیوبند نے ۵۳۶ مشائخ طریقت پیدا کئے

〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۵۸۸۸ مدرسین 〃

〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۱۱۶۴ مصنفین 〃

〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۱۷۸۴ مفتی 〃

〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۱۵۴۰ مناظر 〃

〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۶۸۴ صحافی 〃

〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۴۲۸۸ خطیب و مبلغ 〃

〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۲۸۸ طبیب 〃

〃 〃 〃 دارالعلوم کے ۸۴۷، فضلا نے صنعت و حرفت اور تجارت کے ساتھ دینی خدمات بھی انجام دیں۔

〃 〃 〃 ابنائے قدیم دارالعلوم نے ۸۹۳۶ مدارس و مکاتب قائم کئے۔

مذکورہ بالا خدمات میں جن حضرات نے اونچے درجہ کا مقام حاصل کیا ان کی تعداد درج ذیل ہے۔

اعلیٰ درجہ کے معلمین و مدرسین	۴۴۸	اعلیٰ درجہ کے مصنفین	۲۷۶
〃 〃 مفتی	۱۶۴	〃 〃 مناظر	۱۱۲
〃 〃 صحافی	۱۰۸	〃 〃 خطیب و مبلغ	۲۸۸
〃 〃 طبیب	۱۶۴		